برق غضب

جس میں دار الخلافت مرشد آباد کے عروج و زوال کا مفصل
حال بطرز ناول درج کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ سراج الدولہ
نے نشۂ غفلت اور خراب صحبت میں پڑ کر کس طرح اپنی حکومت
انگریزوں کے ہاتھوں ہو گنوائی

حسب فرمائش بابو پیارے لال بہار گو منیجر سلیمانی پریس بنارس

سلیمانی پریس محلہ گائے گھاٹ شہر بنارس میں
چھپکر شایع ہوا

سنہ ۱۹۱۶ء

ملنے کا پتہ: پیارے لال بہار گو منیجر سلیمانی پریس۔ محلہ گائے گھاٹ شہر بنارس

رس کے مشہور ڈاکٹر گنیش پرشاد بھارگو کا بنایا ہوا

نمک سلیمانی

ت فی شیشی ایک روپیہ
محصول ڈاک چار آنہ ۱؏۴ر

قیمت فی بوتل پانچ روپیہ
محصولڈاک چودہ آنہ ۵؏۱۴ر

یہ نمک سلیمانی اپنے جادو بھرے اثر کی وجہ سے عرصہ ۳۱ سال سے تمام ہندوستان و ممالک غیر میں جسقدر مشہور ہوا ہے وہ اظہر من الشمس ہے یہ نمک سلیمانی معدہ کی تمام خرابیوں کو درست کرکے اسکی قدرتی گرمی کا محافظ رہتا ہے اسلئے تندرستی میں اسکے استعمال سے بھوک بڑھتی ہے اور جوکچھ کہائیے وہ پوری طور پر ہضم ہوکر خون صالح پیدا ہوتا ہے جسکی وجہ سے ہر طرح کی کمزوری دور ہوجاتی ہے اور انسان بہت سی بیماریوں سے بچا رہتا ہے علاوہ معدہ کی بیماریوں کے مثلاً کمی اشتہا۔ پیٹ کا درد۔ پیچش۔ اسہال قے۔ ریاح کا درد۔ بادگولہ۔ کھٹی یا جلی ڈکاروں کا آنا۔ تخمہ یا بدہضمی اس نمک سلیمانی کے استعمال سے مستورات کے ایام کی خرابیاں۔ قبض۔ کھانسی۔ دمہ۔ پیشاب کا بار بار یا زیادہ آنا۔ طحال اور بواسیر بھی اچھی ہوجاتی ہے بھڑ یا بچھو کے کاٹے ہوئی جگہ پر اسکو ملنے سے فوراً تکلیف کم ہوجاتی ہے۔ اس نمک سلیمانی میں بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر مزاج کے موافق آتا ہے۔ اسلئے بوڑھے۔ بچے۔ عورت۔ مرد اور نازک سے نازک مزاج کے لوگ اسکو استعمال کرسکتے ہیں۔

سیکڑوں تکلیفیں ایسی ہیں جو ناگہاں بال بچے والے گھروں میں پیدا ہوکر خاندان کے لوگوں کو پریشانی میں ڈالدیتی ہیں۔ اسلئے اگر ایک شیشی اس نمک سلیمانی کی ہر گھر میں موجود رہے تو بہت سی ایسی تکلیفوں میں بڑا کام دیتی ۲۵ ہزار سے زائد اصحاب نے جن میں ہر قوم و ملت کے لوگ شریک ہیں۔ اس نمک سلیمانی کو مختلف امراض میں آزما کر اس کے مفید ہونے کا اعتراف کیا ہے اس کی شہرت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دو ہزار سے زائد معزز دوکاندار اور سوداگر مختلف اس کارخانہ سے یکمشت مال خرید کر فروخت کرتے ہیں۔

ایک روپیہ والی شیشی میں سو خوراک نمک سلیمانی کی ہوتی ہیں۔ اور بڑی بوتل میں جس کی قیمت پانچ روپیہ ہے اوس میں سات سو سے زائد پوری خوراک ہوتی ہیں۔

ملنے کا پتہ

نونہال سنگھ بھارگو مینجر کارخانہ نمک سلیمانی۔ محلہ گائے گھاٹ شہر بنارس۔

پہلا باب

تیجی کا مال

مانا کہ قتل کرنے کو تم چھوٹ ہی اٹھے
آخر کسی طرح تو میرا امتحان ہوا

مرشد آباد چونکہ ۱۷۵۶ء میں بلکہ اس سے قبل بھی اعلیٰ وردی خاں کے ایسے صوبیدار کی وجہ سے (جس نے اسے اپنا دارالخلافت بنایا ہے) قدرتی طور سے ایک ایسے عمدہ مقام پر بسا ہے جو لب گنگ واقع ہے اور نہایت ہی فضا کی جگہ ہے ہر طرف عالیشان مکانات دکھائی دیتے ہیں اور وہ لوگ جن کو بیشتر مرہٹہ لیٹروں کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی تھی اعلیٰ وردی خاں کے انتظام کی بدولت اس سے بھی بالکل بے خوف اور امن میں ہیں۔ کسی قسم کی ظاہر فکر معلوم نہیں ہوتی۔

آج وہ نوجوان ڈھاکہ کے تخت پر ہے جسکو بڈھے علی وردی خاں نے باوجودیکہ بڑا عقلمند اور مدبر تھا ایسا عیش پسند اور بیہودہ بنا دیا تھا کہ جو چاہتا کرتا اور علی وردی خاں اسکی کسی حرکت پر باز پرس نہ کرتا۔ بہت سے ایسے ہی لوگ دنیا میں ہوتے ہیں جن کو کسی کام کی طرف رغبت ہی نہیں۔ ہاں ان کی عادتیں کیا ہیں۔ رعب کا ہر وقت خیال نفاست

پسندی عیاشی کی از حد خواہش جیسا کہ ہم بھی آجکل بہت سے نوجوانوں کو دیکھتے ہیں۔
ایک تو سراج الدولہ اپنے دادا کا منہ چڑھا تھا ہی دوسرے یہ کہ اب تو بنگال کا صوبہ دار ہو گیا ہے
ملک بھر اسی کا اقتدار ہے۔ اس کے حکم سے بہت بڑے بڑے کام ہو سکتے ہیں ذرا
ذرا سے اشارے ادنےٰ کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنےٰ درجہ پہ پہونچا سکتے ہیں کیسکا خون
یاد باؤ نہیں جو کچھ جی میں آیا وہ کر گذرا۔
اسپر طرہ یہ کہ وہ تلون مزاج عیاش اور کم فہم تھا وہ اپنے دوستوں پر پورا پورا بھروسہ
رکھتا تھا اور انکے کیئے ہوئے پر بہت ہی یقین کرتا۔ وہ نوجوان جو اس کو ہر وقت گھیرے
رہتے تھے اس سے بھی بدتر طبیعت کے تھے کسی میں متانت اور عقلمندی کا نام نہ تھا کوئی کام
بجز برائی کے جانتے ہی نہ تھے۔ ہر وقت اونکا یہی خیال تھا کہ جس طرح ممکن ہو سراج الدولہ
کو خوش رکھو اور اُس کی بُری عادتوں میں ترقی دیتے رہو کہ وہ اس خیال سے نہ نکل
سکے جس سے ہم اپنے عہدہ پر برقرار رہیں۔ ہماری ضرورتیں اچھی طرح بلا کسی کام کے کئے
انجام پاتی رہیں۔
ایک عقلمند اور دانا آدمی فوراً تاڑ جانے والی نگاہوں سے اُن کی کیفیتوں کو تاڑ لیتا
مگر سراج الدولہ سا شخص جو ہمیشہ محل میں پلا لاڈ اور پیار میں رہا بھلا وہ دنیا کی چالوں
اور مکر سے کب واقف ہو سکتا تھا عنفوان شباب میں بہت کم ایسے لوگ ہوں گے
جو باوجود عقل و سمجھ ہونے کے بھی اپنے بُرے اور ناشائستہ افعال یا اُس کی برائیوں پر
گہری نظر ڈالیں جبکہ وہ خود اور ترغیب دلایا جاتا ہو اور یار لوگ اُسکے بُرے کاموں پر واہ
واہ اور سبحان اللہ کرکے ترقی دیتے ہوں۔
اس سے آپ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ بڈھے علی وردی خاں کے ایسے مدبر اور بہادر حکمران کے
مرنے کے بعد سراج الدولہ کے تخت پر بیٹھنے سے ملک کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔
سمجھنے میں عرض کرتا ہوں۔
سراج الدولہ کے تخت نشین ہوتے ہی جب یہ یاروں کے قبضہ میں پوری طور سے آگیا۔ تو
پھر وہ کب اس امر کو گوارا کر سکتے تھے کہ اس کا کوئی ناصح ہو کر ان کی چال کو توڑ دے۔ جس
منصب کو علی وردی خاں کے نمک خوار اور تجربہ کار ملازمین ادا کرتے تھے یاروں نے
سراج الدولہ کو وہ پٹی پڑھائی کہ اُسے اُن ملازموں کو نکالتے ہی بن پڑا۔ اُن کے خدا سے

اشغال میں پوری ترقی ہوگئی۔
ہم بڑے افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ سلطنت دہلی جسکے ماتحت صوبہ بنگال تھا اور صوبہ دار وہیں سے مقرر ہوتے تھے۔ اور فرمان کے ساتھ خلعت بھی آتا تھا۔ ایسی کمزور ہوگئی ہے کہ سراج الدولہ ایسے کم حوصلہ اور ناسمجھ شخص کے بھی ذہن میں آگیا کہ کوئی ضرورت شاہی فرمان منگانے کی نہیں۔ کیونکہ یہ اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اب شاہان دہلی کچھ نہیں کرسکتے۔
اس وقت اُس دیوان خاص میں جہاں کبھی بڈھا اور تجربہ کار علی وردی خاں دربار کیا کرتا تھا آج قاتل مینا کی صحبت گرم ہے۔ وہی نا عاقبت اندیش سراج الدولہ تخت پر بیٹھا ہے۔ اور اوسی کے ایسے طبیعت والے مصاحبین بھی جمع ہیں۔ بجائے ادب اور سرجھکانے کے نشہ شراب سے ہر شخص بدمست ہے آنکھیں چڑھی ہیں۔ بذلہ سنجیاں ہورہی ہیں اور اپنی قابل قدر لیاقت کے مطابق فیصلہ کر رہے ہیں۔ آخر نشہ کے میں ایک مصاحب کھڑا ہوکر کہنے لگا۔
مصاحب۔ خداوند نعمت میں حضور کو ایک نہایت ہی عمدہ رائے دیتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ مجھکو انعام ملے۔
سراج الدولہ۔ (نشیلی آواز سے) کیا نصیر خاں کیا سوجھی۔
نصیر خاں۔ ہنسکر۔ خداوند وہی سوجھی جو سراسر حضور کے مفید ہوگی اور کچھ دنوں تک بیفکری رہے گی۔
سراج الدولہ۔ نہیں واللہ جلدی کہو۔
نصیر خاں۔ تو حضور انعام کا اقرار کرتے ہیں۔
سراج الدولہ۔ البتہ۔
نصیر خاں۔ حضور کی چچی صاحبہ جو ہیں نا
سراج الدولہ۔ ہاں ہاں تو پھر کیا مطلب ہے۔
نصیر۔ آہ۔ ابتک نہیں سمجھے
سراج الدولہ۔ مطلق نہیں
نصیر۔ یہ تو حضور خوب جانتے ہیں کہ خویش مرا آپکے چچانے صوبہداری ڈھاکہ کے زمانہ

میں بہت سا روپیہ جمع کیا تھا اور چونکہ وہ بہت ہی خسیس تھے اسوجہ سے وہ اسی طرح رکھا ہے
نواب۔ (توجہ سے) اچھا تو پھر؟ ہاں ہے تو۔
نصیر۔ وہ یہ کہ اول تو آپکی چچی صاحبہ ضعیف دوسرے عورت انکے پاس اتنا روپیہ رہنے کی کیا ضرورت ہے بہتر ہے کہ وہ حضور کے خزانہ میں داخل ہو جائے اور اوس سے بہت سے ملکی امورات کا انجام ہو روپیہ بیکار نہ رہنا چاہیے۔ اور جب آپکے ایسے عقلمند شخص کے پاس رہیگا تو ضرور کوئی مفید مطلب حاصل ہوگا۔
نواب۔ نصیر واللہ کیا بات کہی ہے (خوفناک ہنسی سے) ہاں ضرور ہمارے بہت سے مطلب نکلینگے اچھا تو پھر اوسکی وصولی کس ترکیب سے ہونی چاہیے۔
نصیر۔ خداوند نجیر وہاں بڑی فوج ہوگی نہیں۔ اور اگر یہاں ہی لیا جائے تو بھلا حضور کے جانبازوں کے سامنے وہ کب ہمت کر سکتی ہے۔ انشاء اللہ آپکے قبضہ میں ضرور آجائیگا۔
نواب۔ واہ کیا بات کہی ہے نصیر جو کسی اور کو نہ سوجھی۔
نصیر۔ خداوند خیر خواہ وہی باتیں کرتے ہیں جو مالک کے مفید ہوں سمجھے حضور؟
نواب۔ تمہاری قدر میری نگاہوں میں سب سے زیادہ ہے اور میں تمہیں کو سب میں لائق اور عقلمند سمجھتا ہوں۔ میں ضرور اسکی فکر کرونگا۔
نصیر۔ حضور اس کے واسطے کچھ بہت بڑی فکر کی ضرورت نہیں۔ میں نے پہلے سے ہی تحقیقات کر لی ہے وہ یہ کہ راج ملیب حضور کے چچا خویش محمد کا ڈپٹی تھا علاوہ بیگم صاحبہ کے اوس کے پاس بھی زر کثیر ہے اگر وہاں فوج بھیجی گئی تو ضرور ہے کہ اوسکا بھی مال لے۔ اور بیگم صاحبہ کا بھی خزانہ ہاتھ آجائے۔
نواب۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ کام موہن لال کے یا مالک چند کے سپرد کیا جائے۔
نصیر۔ حضور مالک چند تو تجربہ کار ہو چکا ہے اب وہ کسی بڑی لڑائی پر بھیجا جائیگا۔ مناسب ہوگا کہ نوجوان موہن لال ہی اپنی راجپوت فوج کی سرداری میں بھیجا جائے اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ جنگ کا میدان دیکھے گا اور دوسرے یہ کہ

جلد سفر کو تمام کر سکیگا۔

نواب۔ اچھا بلاؤ موہن لال کو۔ ۔ ۔ ۔ ایک چوبدار بھیجا گیا۔

راوی۔ اِسلی فوج کے افسر من کے عہدے بہ نسبت اوروں کے بڑے ہیں یہ چار اشخاص ہیں میر مدن۔ میر جعفر۔ موہن لال اور مانک چند۔

موہن لال ۱۲ برس کا نوجوان ہے اسکے ہاتھ پاؤں بہت ہی قوی رنگ گندمی اور قد لانبا ہے۔ داڑھی بقاعدہ ہنود منڈائے رہتا ہے۔ سر میں چھوٹے چھوٹے بال ہیں اور ٹیڑہی بجے پوری وضع کی پگڑی باندہتا ہے چہرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بہادر شخص ہے اور سوائے جنگی قواعد کے دوسری باتوں میں اپنا وقت بہت کم صرف کرتا ہے۔ سپاہیوں کی سی سادہ لوحی اس میں پورے طور سے پائی جاتی ہے اور بڑا نیک شخص ہے۔ اس نے دربار میں آتے ہی پہلے تو نواب صاحب کے ساتھیوں کو بڑی حقارت کی نگاہوں سے دیکھا اور پھر اپنے دلی جوش کو جو اس غیر مہذب صحبت کو دیکھکر پیدا ہو گیا تھا بڑی مشکل سے روک کر ادب سے مخمور نواب کو سلام کیا۔

نواب۔ موہن لال میں تمہارے سپرد کچھ کام کرنیوالا ہوں ؟

موہن۔ میری مسّرت کہ دربار کی ایسی حالت میں کوئی نیک کام کرسکوں اور میرا نام تاریخ میں حضور کے سچے اور باوفا نمک خواروں میں درج ہو۔ میں بڑا شکر کرتا ہوں۔

درباری۔ (چونک کر) اس کیا کہا ؟ دربار کی ایسی حالت میں۔

موہن لال۔ کیا آپ لوگ نہیں سمجھے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہاں کل لائق اور نوجوان مصاحبین جمع ہیں۔ مگر اسپر بھی حضور نے میری عزت افزائی کی غرض سے مجھی کو طلب فرمایا اور مجھے اپنی توقیر بڑہانے کا موقع ملا۔

درباری اُس کے اس جواب پر خاموش ہوگئے اور دل ہی دل میں کٹ گٹ گئے اب اونکو موقع نہ تھا کہ اُس کے کسی لفظ کی گرفت کرتے جو دربار کے اس مذموم حالت کو دیکھکر کہہ گیا تھا۔

نواب۔ ہاں ہاں موہن لال میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تمہارے ذمہ ایک کام سپرد کروں اور تم اپنی بہادری اور دیانتداری کا ثبوت دو۔

موہن لال۔ پر میشور کی مدد ہے تو ایسا ہی ہوگا۔

نواب۔ وہ یہ کہ تم ہزار پیادے اور پانسو سواروں کے ساتھ ڈھاکے جاؤ اور میری چچی گھسیٹی بیگم سے کل مال جو چچا نوازش محمد نے جمع کیا تھا لے آؤ۔ اگر وہ برسر پرخاش ہوں اور وہاں کی جماعت کو اپنے سے زیادہ دیکھو تو فوراً امداد کے طالب ہونا۔ تمہارے واسطے ایک دستہ فوج کا ہر وقت مستعد رہے گا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ راج بلب جو چچا کا ڈپٹی تھا اُس نے بہت سارا روپیہ رعایا پر ظلم کر کے وصول کر لیا ہے اوسکو بھی تم اپنے قبضہ میں کر لینا بالفعل یہی دو کام ہیں جو تمہارے سپرد کیے جاتے ہیں آیندہ امیدوار عنایت رہنا۔

موہن لال۔ خداوند نعمت کیا راج بلب نے بھی بہت سامال جمع کیا ہے میں ضرور اُسکی قلعی کھولوں گا اور انشاء اللہ ایک ایک کوڑی خزانہ عامرہ میں بھیجی جائیگی۔ لیکن غلام کی ایک عرض ہے۔ اگر تخلیہ میں حضور سن لیں۔ اور کسی پر اوسکا اظہار نہ فرمائیں۔

نواب۔ ہاں ہاں موہن لال میں ضرور سنوں گا کیونکہ تم میرے بہادر سپہ سالار ہو۔ لیکن تم کو یہاں کہنے میں کیا عذر ہے۔ کیونکہ میرے یہ سب رفقا بمنزلہ میرے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو رازدار نہ ہو۔

موہن لال۔ اگر میں نہ کہہ سکوں تو۔

نواب۔ (اچھا اچھا ۔۔۔۔ اور مصاحبین کی طرف مخاطب ہو کر) تم لوگ تھوڑی دیر کے لئے ہٹ جاؤ اس کا حکم پاتے ہی سب کے سب تیوری چڑھا کر چلے گئے بعدہ موہن لال نے کہنا شروع کیا۔

موہن لال۔ خداوند میں حضور کی ملازمت کے قبل جسے ایک سال ہوا ہے بہت دنوں تک ڈھاکہ میں رہا ہوں اور اوس زمانہ سے راج بلب کی لڑکی چمپا پر عاشق ہوں۔ امیدوار ہوں کہ وہ دلا دیجائے اور میں اُسے اپنے مذہبی قانون کے موافق شادی کر لوں۔

نواب۔ کیا وہ بڑی خوبصورت ہے جس پر تم عاشق ہو گئے۔

موہن لال۔ حضور اسکو نہ دریافت کریں کہ وہ کیسی ہے۔

نواب۔ اچھا اچھا تم کو بخشدیجائیگی۔ اب تم جاؤ۔

یہ سنکر موہن لال کی جوش مسرت سے باچھیں کھل گئیں امید کا لہلہاتا ہوا سبز باغ آنکھوں میں

پہر گیا وفور تمنا کو مشکلوں سے ضبط کرتا ہوا اوٹہا ادب سے جہک کر مجرا کیا اور باہر نکل کر کیمپ کی طرف چلا۔ اپنی فوج کو درست کیا اور دوسرے روز ڈہاکہ روانہ ہو گیا۔

اوس کے جانے پر یاروں نے سراج الدولہ کی پہر وہی صحبت گرم کی اور بیوقوف نواب نے ساری کیفیت بیان کردی۔

نواب۔ نصیر تم نے کچھ سنا موہن لال جو ہے اب دل وجان سے کوشش کریگا۔ کیونکہ اس کی معشوقہ چمپا راج بلبھ کی لڑکی بہی وہیں ہے اور اوس کی اوس نے مجھے اجازت دی ہے۔

نصیر۔ آہ! راج بلبھ کی لڑکی! اوس کے حسن کا شہرہ تو تمام ڈہاکہ میں ہے۔ وہ ایسی حور وش ہے کہ اوسکا نظیر کم ہوگا۔

نواب۔ نہیں واللہ سچ کہو۔

نصیر۔ وہ تو حضور کے قابل ہے اور حضور ہی قدردان ہیں۔ یہ بیچارہ سپاہی آدمی بہلا اوسکی قدر کیا جانے۔

ان لوگوں نے ملکر کچھ ایسا اشتیاق تو ضرور دلایا تہا کہ سراج الدولہ بہی نادیدہ عاشق بنجاتا مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہوا یا نہیں اور اوسکی بعد پہر وہی صحبت گرم رہی۔

باب ۲ دوم

ڈہکی پر فوج کشی

مجھسے کہتے ہیں وہ انگشت بدنداں ہوکر
یہ تو بتلاؤ کہ عاشق کو ستایا کس نے

موہن لال کی ڈیڑہ ہزار تجربہ کار اور بہادر فوج ڈہاکہ میں پہونچی۔ جہاں اسکے قبل ہی سراج الدولہ کے ظلم اور سختیوں کی خبر پہونچ چکی تہی اور ہر شخص گہبرا رہا تہا کہ دیکہیے حکومت میں کیا تبادلہ ہوتا ہے اور یہ نوجوان کیا کرتا ہے جسکو لاڈ پیار نے بالکل خراب کردیا ہے اور وہ دنیا کے نیک و بدکاموں کے نتائج سے بالکل بے خبر ہے۔ ہر طرف

سے اس کے بری صحبت کی خیرابی اور وہ لوگ جن کی نگاہوں میں علی وردی خان کی حکومت کا عکس پڑ رہا تھا۔ بڑے ہی افسوسناک نگاہوں سے بنگال کی آیندہ قسمت کو دیکھتے ہیں۔ جو ایک ناتجربہ کار اور ناعاقبت اندیش شخص کے تخت نشین ہونے سے ہو سکتی ہے۔

نوازش محمد کی بیوہ یعنی گھسیٹی بیگم کو بھی یہ خبر پہونچ گئی۔ اور اوس نے بھی فوجیں جمع کیں کہ مبادا اوس کا بھتیجا اگر برسر فساد ہو تو وہ اپنی حفاظت کر سکے اور اسکے دست ظلم کو بڑھنے نہ دے۔ یہ سب راج بلب کی رائے سے ہوا کیونکہ وہ بڑا ہی عقلمند اور خیرخواہ تھا گو وہ بھی روپیہ کی لالچ سے رعایا پر کبھی ظلم کر بیٹھتا تھا۔

شہر میں راج بلب کے ظلم سے غل مچا تھا کہ دفعتہً سراج الدولہ کی فوج کے پہونچنے کی خبر ہر گلی کوچوں میں عام ہو گئی۔ اور ان لوگوں پر جو آرام سے بیٹھے تھے۔ اس فوج سے ایک ہیبت طاری ہو گئی۔ اور اپنی اپنی خطرناک حالت کے لئے پہلے سے یہ پیشین گوئیاں کرنے لگے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ غرض ہر طرف برے برے خیالات پھیل گئے کیونکہ سراج الدولہ کی فوج سے بھی لوگ بدظن ہو گئے تھے۔

دوسرے روز گھسیٹی بیگم کی فوج بھی مستعد ہو کر آ گئی اور صفیں درست ہونے لگیں۔ ابھی دو ہی تین فیر توپوں کی ہوئی تھی کہ بیگم کی فوج میں بیدلی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور تھوڑی ہی دیر میں جمی ہوئی صفیں درہم و برہم ہو گئیں۔ بزدل سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان صاف ہو گیا۔ نمک حرام فوج نے بیگم کو دشمنوں کے سپرد کر دیا۔ جس میں راج بلب بھی تھا۔

اس موقع پر موہن لال کو از حد خوشی ہوتی اگر وہ جنگ کر کے لڑائی فتح کرتا۔ مگر یہاں تو ہنوز سپاہیوں کے ہاتھ بھی نہ گرمائے تھے کہ دو ہی تین منٹ میں میدان ہاتھ آ گیا اور سراج الدولہ کے بہادر سپہ سالار نے فتح لی۔ اس کو اگرچہ مسرت تھی تو یہی کہ ایک تو سراج الدولہ نے جس کام کے واسطے اُسے بھیجا تھا وہ پورا ہو گیا۔ دوسرے اوسکی تمناؤں کے برآنے کا اُسے موقع مل گیا جیسے ناظرین جانتے ہیں۔ غرض سراج الدولہ کے حکم سے بیگم کا کل مال و اسباب ضبط کر لیا گیا اور وہ بیچاری ڈھاکہ سے نکال دی گئی۔ کم بخت بھتیجے نے بچی بچی کو بہت تکلیفیں دیں یہانتک کہ علی وردی خاں کے

زمانہ ہی میں اس نے اپنے ایک بیگناہ چچا حسین قلی خاں کو قتل کر ڈالا تھا۔
اس وقت موہن لال بیٹھا سوچ رہا تھا کہ راج ولبھ تو گرفتار ہو گیا اور رٹنے کی نوبت ہی نہیں آئی اب صرف تھوڑے سے آدمی اس کے محاصرے کے لئے کافی ہونگے۔ یہ سے نکلا اپنی وردی پہنی۔ ہتھیار لگائے اور ۲۵ سوار اور پیادوں کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ جہاں اوسکا جانا بالکل بیکار ثابت ہوا۔
کیونکہ راج ولبھ کی گرفتاری کے بعد اسکا بیٹا کشن داس گھر پر تھا اور اوس کو سراج الدولہ کے ارادوں کی خبر مل چکی تھی جبھی اس نے فوراً مشہور کر دیا کہ میں جگناتھ جی درشن کو جاتا ہوں اور اپنا کل مال و اسباب کشتیوں پر بار کرا کے معہ اپنی عورتوں کے کلکتہ کی طرف چلدیا۔
موہن لال جسکو یہ امید ہے کہ کشن داس کے مکان کی لوٹ میں اوس کی پیاری چمپا ملیگی۔ قدم بڑھائے نہایت شوق سے چلا جاتا ہے اور دل سے یوں باتیں ہو رہی ہیں اگر میری دلربا پہنچ گئی تو اوس کے مکان کی لوٹ سے میں باز ہوں گا۔ سراج الدولہ سے کوئی بہانہ کر دیا جائے گا۔ یہ اسی طرح اپنے دھن میں لگا چلا جاتا ہے کہ ایک سوار نے اس کے ہاتھ میں ایک خط دیا۔ اور چلا گیا۔ موہن لال نے اوس خط کو فوراً چاک کر کے پڑھنا شروع کیا۔

خط

بھو لجانے والے موہن۔
اتنا جلد بھول گئے۔ باوجودیکہ تم سپاہی آدمی ہو لیکن تم نے اپنی زبان کا پاس نہیں کیا۔ تم کہہ گئے تھے کہ میں بہت جلد آؤں گا لیکن برسوں گذر گئے اور آنے کے عوض میں ایک خط تک نہ بھیجا۔ سچ ہے تم کو کیا معلوم کہ کسی منتظر کے دل پر کیا گذر رہی ہے۔ حالت انتظار میں وہ کیونکر بسر کرتی ہے۔ تم تو مجھسے ملنے کے عوض میں اپنے مالک سے یہ قسم کھا کر آئے ہو کہ راج ولبھ کے مکان کو لوٹ کر خاک سیاہ کر دوں گا۔ شاید اب تم کو میری محبت نہیں رہی۔ چونکہ میرا بھائی مجھے لیکر کلکتہ جاتا ہے اب تمہارا آنا فضول ہو گا میرے مکان سے ایک کوڑی بھی نہ ملیگی۔ مجھے یقین تھا کہ تم میری تلاش کرو گے اس لئے میں نے تم کو خود اس خط سے اپنی روانگی کی خبر دیدی ہے۔ تم جو ناحق آگئے ہو اسلئے میں نے بہتر

سمجھا کہ تمہیں تمہاری جھوٹی محبت سے آگاہ کردوں جسکا تم کسی زمانہ میں دعوے کرتے تھے۔

راقمہ

عاشق کی ستائی چمپا

موہن لال کا اس خط کو پڑھکر عجب حال ہوا۔ چہرے سے حسرت اور ناامیدی برسنے لگی امید کا وہ خوش نما چہرہ جسکی بہار دیکھتا یہ مرشدآباد سے آیا تھا دور ہوگیا۔ ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ پیدا ہوئی اور قریب تھا کہ یہ بدحواس ہوکر گھوڑے سے گر پڑے مگر عیاں تھا کہ سنبھل گیا اور عجیب پردرد لہجہ میں بولا۔ ہائے چمپا تم چلی گئیں۔ میرا آنا فضول ہوا۔ جس امید میں میں تھا وہ بیکار گئی کوئی ثمرہ نہ ملا۔ یہ کہکر کھڑا ہوگیا۔ وہ ہمت اور ولولہ سب [illegible] گیا۔

بھلا اب موہن لال کہاں جانے والا تھا۔ اس کے دلپر تو اس خط سے وہ چوٹ پڑی کہ ساری فتح کی خوشی اور اپنے مالک کے حکم میں کامیابی سب مفقود ہوگئی اس نے جیب سے رومال نکالکر آنکھوں سے ان اشک کے قطروں کو پاک کیا جو بیخودی میں نکل آئے تھے پھر ایک ٹھنڈی سانس لیکر گھوڑے کو موڑا اور اپنے کیمپ کی طرف لوٹا۔ مگر اس وقت بھی اسکا نفس ناطقہ بیکار نہیں۔ یہ یوں باتیں کرتا جاتا ہے۔

آہ! چمپا نے مجھے کیسے سخت الفاظ لکھے جسکا متحمل میرا دل نہیں ہوسکتا۔ جان دیدوں مگر بے اسکے دیکھے ہوئے تو یہ بھی ممکن نہیں۔ میرا مرنا بھی تو میری خوشی سے ہو نہیں سکتا۔ اسکے نازک دل میں یہ رہ جائے گا کہ میں اسے بھول گیا۔ میرا مرنا اس طرح کوئی مفید مطلب نہیں دیسکتا۔ بہتر ہے کہ میں نواب سے رخصت لیکر خود بھی کلکتہ جاؤں شاید کسی طرح ملاقات کا موقع ملجائے اور میں اپنی مجبوریاں ظاہر کرکے اسکے دل سے ایسے لغو خیالات نکالوں یہی سوچ [illegible] اسی دھن میں۔ پیاری چمپا! تجھے کیا خبر کہ تیری اس تحریرسے موہن لال کے دل پر کیا گذر گئی۔

موہن لال جیسے دشمن کی تلوار کے گہرے زخم بھی تکلیف نہیں دیتے اس وقت تیرے بردم کے خیال سے جس نے مجھے سودائی بنادیا ہے۔ ورنہ پیشتر میں اپنے کل کاموں کو بہت سمجھکر کرتا تھا۔ تیرے بھولے چہرے نے تو خدا جانے میرے دلپر کیسا اثر ڈالا کہ میں سب کچھ بھول گیا۔ انجام یہ تھی پہلے ہی سلام کرکے رخصت ہوگئی۔ (یہ کہکے چپ ہوگیا) اور پھر کچھ

دیر تک خاموش رہنے کے بعد اسی جوش میں یوں کہنے لگا" چمپا۔ پیاری چمپا تیرے فراق سے میرے زخم دل میں ناسور پڑ گیا۔ تم کیا جانو کہ میں یہاں کیوں آیا تھا۔ ہائے! کس کا اشتیاق مجھے یہاں کھینچ لایا تھا۔ تیری محبت کی قسم تو ہی نے مجھے دیوانہ بنایا ہے اور تیرے ہی دیکھنے کے لئے میں یہاں آیا تھا تیری ہی زیارت کرنی مجھے منظور تھی۔ اُف! کیا اچھا ہوتا کہ تم یہاں موجود ہوتیں اور میں تمہارے مُنہ سے یہ سب شکایتیں سنتا جو اسوقت خط میں دیکھہ رہا ہوں۔ تم نے مجھے اپنے عذرات پیش کرنیکا موقع ہی نہ دیا۔ اب میں اپنے دل کی حالت کسے سناؤں سوائے اسکے کہ مرشدآباد جاکر اپنے فتحمندی کا حال بیان کروں اور ہو سکے تو چند دنوں کی رخصت لیکر کلکتہ آؤں۔ افسوس میں اور کچھ روز قبل کیوں نہ آیا کہ میں تم کو دیکھہ لیتا۔ اور یہ نشتر سے زیادہ تیز جملے جو موت کے برابر ہیں نہ سنتا تمہارے نہ ملنے سے اب میرا کسی کام میں دل نہیں لگتا۔

کیا کسی دلربا کے کڑے جملوں میں یہ اثر ہے کہ طبیعت دنیا سے پھر جاتی ہے ہر چیز برباد ہی چھائی معلوم ہوتی ہے اور کسی شغل میں دل نہیں بہلتا۔ ہاں سچ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو میری طبیعت کی یہ حالت نہ ہوتی اور میں اپنی فتحمندی کا اظہار پورے جوش کے ساتھ کرتا لیکن نہیں.... یہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ موہن لال اسی طرح بکتا ہوا اپنے خیمہ میں پہونچ گیا۔ جہاں بیٹھکر اس نے اپنے سپاہیوں کو بلایا اور یوں گفتگو شروع کی۔

موہن لال۔ رام راج اب یہاں رہنا محض بیکار ہے بلکہ صبح ہی فوج کے کوچ کا سامان ہونا چاہئے۔ اب بیکار وقت ضایع کرنے کا کوئی نتیجہ نہیں۔

رام راج۔ سردار بہت بہتر ہے تو اسوقت سے روانگی کی درستگی ہو جائیگی مگر راج بلب کے مکان کا کیا بندوبست ہوگا۔

موہن۔ صرف اس قدر کہ کچھ سپاہی اس کے مکان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دئے جائیں اور جس قدر مال دستیاب ہو وہ سب شاہی خزانہ میں داخل ہونے کے لئے ساتھہ جائے۔

رام راج۔ اور حضور راج بلب کے بیٹے کشنداس کا تو کہیں پتہ نہیں ملتا سنا گیا ہے کہ وہ جگناتھہ جی کے درشن کے لئے چلا گیا۔

موہن۔ یہ سب کشنداس کی جعلی کارروائی اور بزدلی کا اظہار ہے۔ وہ یہ خوب جانتا

تہا کہ میں کسی طرح بہادر سپاہیوں سے نہیں لڑ سکتا۔ اور اسی وجہ سے وہ اپنی جان بچاکر کلکتہ بھاگ گیا۔

رام راج۔ اوسکا کلکتہ جانا تو غلام کے نزدیک اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

موہن۔ یہ تو سمجھی ہوئی بات ہے کہ مرشدآباد کی بربادی اور تباہی کا زمانہ بہت قریب ہے وہ ضرور افسران برٹش سے ملکر کوئی کارروائی کرے گا جو ہمارے نواب کے لیے خراب نتیجہ ظاہر کرے گی۔ دیکھئے ہم لوگوں کی کیا حالت ہوتی ہے۔

رام راج۔ کیوں حضور اگر برٹش گورنمنٹ سے لڑنے کی نوبت آئی تو آپ کیا کریں گے۔

موہن۔ دجوش میں) یہ سر نواب کے قدموں پر نثار کرکے دائمی آزادی حاصل کروں گا۔

رام راج۔ مگر اور تو کوئی سردار ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ جو کسی برے وقت میں اپنے مالک کا ساتھ دے اور اپنی جان اوپر نثار کردے۔ اسلئے کہ اُنکے ظلم اور عیش پسندی نے ہر شخص کو اُنسے دل شکستہ کردیا ہے۔ امیچند سیٹھ تو اونکا دشمن ہو رہا ہے۔

موہن۔ چاہے تمام زمانہ پھر جائے مگر ایک شخص جب تک زندہ ہے اُس وقت تک مرشدآباد پر کسی کا دست رس نہیں ہو سکتا۔

رام راج۔ وہ کون شخص ہے۔

موہن۔ وہ میر مدن ہیں جنکی بہادری اور نمک حلالی کبھی اونہیں نواب کا دشمن نہیں بنا سکتی وہ کسی حال میں رہیں مگر نواب کا ساتھ ضرور دیں گے۔

رام راج حضور اس کی وجہ؟

موہن۔ اس کی وجہ میں نہیں بیان کرسکتا۔ اب تم جاؤ اور روانگی کا بندوبست کرو۔

رام راج۔ تو راج محل اور بیگم صاحبہ کے مکان پر صرف پچاس آدمی حفاظت کے لیے چھوڑ دیئے جائیں یا اور زیادہ۔

موہن۔ بس کافی ہیں اور اُن لوگوں سے یہ بھی کہدینا کہ میرے جانے کے بعد اگر کوئی شخص اس گھر پر حملہ آور ہو تو تم لوگ ہرگز جنگ پر اُس وقت تک آمادہ نہ ہونا جب تک

نواب صاحب کا کوئی دوسرا حکم نہ آئے اور اگر دشمنوں کا زیادہ دباؤ پڑے تو مصلحت وقت سمجھکر کام کرنا۔

رام راج۔ اسکا تو مجھے بھی خوف ہے کہ آپکے چلے جانے پر ضرور یہاں کچھ نہ کچھ فساد ہوگا

موہن۔ مگر اس کے بارہ میں مجھے کچھ علم نہیں ملا ہے اور نہ میں بذات خاص اس میں دست اندازی کرسکتا ہوں کیونکہ سراج الدولہ کا رنگ اب اچھا نظر نہیں آتا۔

رام راج۔ اب اونکے ظلم حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں اوپر طرہ یہ کہ اونکے کل مصاحبین لغو اور بیہودہ ہیں ایک بھی اس لائق نہیں کہ اونہیں برائیوں سے روکے۔

موہن۔ بھائی برائی سے روکنا کیسا وہ لوگ تو اور اونکو ترغیب دیں گے کہ جس میں اونکی مٹھی گرم ہو۔ شکار ہاتھ سے نجائے۔

رام راج۔ پھر آخر انکو کیونکر روکا جائے یہ باتیں تو بہتر نہیں۔ ابتو سنا ہے کہ دربار میں بر ناچ ورنگ اور شراب نوشی ہوا کرتی ہے۔

موہن۔ مجبوری ہے کیا کیا جائے وہ ہم لوگوں کی نصیحت کو اب کسی طرح مان نہیں سکتے دیکھو میر مدن نے تو اس صدمہ سے دربار میں جانا چھوڑ دیا۔

یہ سنکر رام راج اوٹھا اور فوج میں جاکر روانگی کا حکم سنا دیا۔ راج بلب کے مکان پر پہرہ مقرر ہوگیا۔ چونکہ شام کا وقت ہے آفتاب غروب ہوچکا ہے۔ بادلوں میں انوکھی رنگت پیدا ہوگئی۔ جدہر دیکھو تو شگفتہ کلیاں ایک عجیب دلربایانہ ادا کے ساتھہ مسکرا رہی ہیں۔ اور ان کی بیقرار خوشبو چمن میں اٹھلاتی پھرتی ہے جتنے سیر کرنے والوں کے دماغوں میں تقویت ہوتی جاتی ہے عاشقان دل گرفتہ جدا ہی کسی دلفریب کے خیال میں سرتن ڈوبے ہیں۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے عروسان چمن کے زلف عنبریں کو چھیڑ رہے ہیں ستارے اوسی دائمی انتظام کیوجہ سے جو خلاق عالم کی طرف سے اون کے لیئے مقرر ہوا ہے چمک چمک کر اپنے نظارہ کرنے والوں کا دل چھینے ڈالتے ہیں ایسے ماہتاب نے بھی اپنا خوشنما چہرہ پردۂ شب سے نکالا جسکی شعاع حسن کے جلوہ سے تمام عالم روشن ہوگیا اور ہر شخص اپنے ضروری کاموں سے فراغت پاکر بستر خواب پر جالیٹا فطرت کے منضبط احکام کے مطابق سیارے رات کے ہوتے ہی اپنے سماوی دائرہ کو طے کرنے لگے اور یہاں تک محنت کی کہ بارہ گھنٹہ سے کچھ کم ہی میں اپنا کام پورا کرلیا۔ رات ختم ہوگئی

صبح نمودار ہوئی۔ موہن لال جس نے یہ رات خدا جانے کس بےچینی سے کاٹی ہے۔
بستر خواب سے اوٹھ بیٹھا۔ اور روانگی کا سامان ہونے لگا۔ واقعی یہ رات موہن لال
پر سے قیامت ہی کی رات گئی ہے ؎

شب فرقت میں سچ ہے نیند عاشق کی اوچٹتی ہے
غضب کی رات ہوتی ہے بڑی مشکل سے کٹتی ہے

وہ کبھی تو خیال کرتا تھا کہ اب چمپا سے ملنا بہت مشکل ہے خدا جانے کس مقام پہ ہے اور
کبھی کہتا آہ کہیں ایسا نہو کہ نواب مجھے رخصت نہ دیں۔ اگر مجھے رخصت نہ ملی تو میں ضرور
نوکری چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ یہ مجھسے کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں پیاری چمپا کو دغا دیکر بیٹھ رہوں!
دیکھو اُس نے خط میں کیسے غیرت دلانے والے الفاظ لکھے ہیں۔ ضرور اوسکا نازک دل
میری اِس بے خبری اور عدم توجہی سے دکھ گیا ہے ورنہ وہ کبھی اِن سخت الفاظ
سے مجھے یاد نہ کرتی یہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ راجہ نے فوج کی آراستگی کی خبر دی
جسے سنکر موہن لال بھی فوراً تیار ہوکر روانہ ہوگیا۔

تیسرا باب

طلبی

کہنے لگا۔ جب ہی اپنے کو جان نثار
قدرت خدا کی وہ بھی مرا ہم زباں ہوا

کیا آپ یہ سننا چاہتے ہیں کہ موہن لال راہ طے کرکے مرشدآباد پہونچ گیا ہوگا نہوں
ناامیدی بھی کیا چیز ہے۔ دیکھئے اب وہ آجا بھی نہیں رہا۔ آہ۔ کس خوشی اور جوش
کے ساتھ یہ بہادر افسر اپنی دل میں پوشیدہ تمنائیں اور ولولے لیکر گیا تھا۔ اسکو
خیال تھا کہ اب میں اپنی چمپا سے ملونگا جسکی زیارت برسوں سے نصیب نہیں ہوئی ہے
جاتے ہی لڑائی کے بعد اپنے دلی تمناؤں کے برآنے کا سامان کروں گا۔ لیکن
افسوس وہاں پہونچکر سوائے اُس تحریر کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ امیدیں خاک میں مل
گئیں۔ جسکا اثر یہ ہوا کہ اتنے ہی زمانے میں زمین و آسمان کا فرق ہوگیا۔ اُس وقت
اسکی آنکھوں سے نشہ محبت اور شجاعت ظاہر ہوتا تھا۔ چہرہ پر سرخی اور ہاتھ پاؤں میں

کس تھا۔ لیکن اب وہی چہرہ زرد ہے آنکھوں سے حسرت ٹپک رہی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ
اگر کوئی صورت ملاقات کی نکل ہی تو کہیں اُس بے پروائی سے کام نہ لیا جائے جو خط
سے ظاہر ہوتی ہے۔

اب جو بات اوس کو تسکین دینے والی تھی وہ یہی کہ جلد نواب سے رخصت لیکر کلکتہ
جاؤں۔ اور چمپا کے مکدر دل کو اپنی طرف سے صاف کردوں۔ کیونکہ اس کے نازک
دل پر میری اتنے دنوں کی غیر حاضری سے جو صدمہ پہونچ گیا ہے وہ بغیر ملاقات کے
کسی طرح نہیں مٹ سکتا۔

موہن لال کے آنے کے قبل اُس کے فوجی انتظام اور دیانتداری کی خبر مرشدآباد میں
پہونچ چکی تھیں ہر شخص اوسکی تعریفیں کر رہا تھا۔ قدر کی نگاہوں سے دیکھنے کا مشتاق
تھا۔ لیکن جہاں موہن لال کی تعریفیں تھیں وہیں سراج الدولہ کی ناپاک اور ظالم طبیعت
نے لوگوں کے دلوں میں نفرت ہی پیدا کردی تھی۔ اور سب کی نگاہوں کے نیچے
اوس کی اس بری صحبت کا نقشہ پھر رہا تھا۔ لیکن رعب سے کوئی کچھ کہتا نہ تھا۔ البتہ موہن
لال کے بارے میں تمام لوگوں کے دل پر یہ نقش ہو رہا تھا کہ آبرو کے آگے جان کو کوئی
چیز نہیں سمجھتا اور اپنے مالک کا سچا ہی خواہ اور ایماندار ہے۔ جس لڑائی میں جائیگا
ضرور اُس میں فتحیاب ہوگا۔ موہن لال کی نیک نیتی۔ ملنساری اور سادی طبیعت
سے ہر شخص اچھی طرح جانتا تھا کہ اُسے باوجود جوان ہونے کے بھی سراج الدولہ کی
اوس بڑی صحبت سے اجتناب ہے۔ بلکہ عوض میں شریک ہونے کے یہ سراج الدولہ
کو برابر موقع پاکر ایسی صحبت کے ترک کرنے کی نصیحت کرہی دیتا ہے جو اُس ناعاقبت
اندیش نواب کے دل پر ذرا بھی اثر نہیں کرتی۔

موہن لال قریب شام کے مرشدآباد پہونچا۔ آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ شفق پھولی
ہوئی ہے فوج بڑے جوش کے ساتھ اپنے افسر کے ہمرکاب چلی آتی ہے جن کے
چہروں کی مسرتیں یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ یہ خوشی صرف وطن لوٹنے کی ہے۔ موہن لال پہلے
تو اپنے کیمپ میں گیا۔ فوج کو آسائش کا حکم دیکر خود اسلحہ جنگ اوتارا۔ اور منہ ہاتھ
دھو کر اپنے کمرہ میں آرام لینے کی غرض سے جا بیٹھا۔ مگر کیا اس کو آرام ملا بھی۔ نہیں؟
اب اس کو یہی خیال ہے کہ نواب کے پاس جا کر اپنے آنے کی اطلاع دوں اور

نہ اوس کا غیور دل اسی کو گوارا کرتا ہے کہ دربار میں جا کر اُس کی بُری صحبت میں دخل انداز ہو۔

اگر کسی کام کا خیال مشکل سے آ ہی جاتا ہے تو ساتھ ہی اُسکی ناکامی اوسکو ایسا محو بیخودی بنا دیتی ہے کہ بیہودہ خاموش ہو رہتا ہے۔ اوس کی آنکھوں کے سامنے چمپا کی خیالی تصویر کھڑی ہے اور وہ اوس حسن کے مزے سے اُس وقت بھی اپنے دھن میں یوں باتیں کر رہا ہے "یہ آہ ناکامیاب ہی ہوئے۔ چمپا سے ملاقات نہ ہوئی"

یہ اُسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ ایک برہمن نے اسے کھانے کے لئے اوٹھایا اور یہ اُس کے ساتھ اپنی ملت کے موافق رسوم کے مقام پر چلا گیا۔ اس سے جلد جلد کچھ کھایا اور پھر اپنی پلنگ پر اُسی خیال میں لیٹ رہا۔ اُس عشق کے نشتے پھڑک پھڑک کر اُسے بیقرار کرنے لگے۔

چونکہ قمری مہینہ کی آج بارہ تاریخ ہے۔ شب کے آٹھ بجے ہیں۔ ماہتاب کی خوشگوار اور ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی تمام دنیا کو اپنا نور بخش رہی ہے۔ اور چمکتے ہوئے تارے نیلے آسمان پر نہایت ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ قانون قدرت کی پابندی ہم کو یہ سکھا رہی ہے کہ دنیا کے کل کاموں میں پابندی اچھی چیز ہے۔ موہن لال بیچارہ اسی خیال میں لیٹا کروٹیں بدل رہا تھا کہ ایک سرکاری چوبدار نے نواب صاحب کا فرمان اسے لا کر دیا اور یہ اُسے پڑھ کر اوسی کے ہمراہ دربار روانہ ہو گیا کیونکہ یہ خط اسکی طلبی کا تھا جس میں نواب صاحب نے بہت جلد اسے دربار میں بلایا تھا۔

موہن لال جسوقت دربار میں پہونچا تو اوس نے کیا دیکھا؟ وہی بُری صحبت گرم ہے دور شراب چل رہا ہے۔

کیوں ناظرین! اوس کی یہ نفرت بجا ہے یا بیجا؟ نہیں ضرور بجا ہے بلکہ اوسی پر کیا منحصر ہے کوئی ایسے بد منظر سے کڑھے گا۔ اوس کی نگاہ میں جہاں بیشتر عدل و انصاف سے کام لیا جاتا تھا۔ مظلوموں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کیا جاتا۔ جہاں بڑی عملداری خان کی چوکی تھی۔ جہاں سے فریادی لوگ اپنی داد پا کر خوشی خوشی واپس جاتے جہاں امورات مملکت کا انتظام ہوتا جس مقام پر بڑے بڑے مدبر اور خیرخواہ جمع ہو کر رائے زنی کرتے آج دیکھئے وہاں کیا ہو رہا ہے۔

وہی جو سراج الدولہ کے ظاہری دوستوں کی صحبت میں روزانہ ہوتا تہا۔ یعنی شراب کا دور چل رہا ہے۔ مصاحبین نواب کی ہر بات پر تعریفیں کر رہے ہیں۔ نشہ کی حالت میں لغو اور قبیح افعال کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ رقص و سرود کی محفل گرم ہے۔ موہن لال یہ دیکھکر بہت ہی متنفر ہوا اور اپنے غصہ کو ضبط کرکے کنکھیوں سے اُن بدخواہوں کا منہ دیکھنے لگا جو اس خراب صحبت کے باعث تہے اور سراج الدولہ کے کل برے کاموں میں مشیر سمجھے جاتے تہے۔ غرض موہن لال نواب کو آداب کرکے اپنے صدر مقام پر جا بیٹھا جو اسکی جگہ تہی۔

نواب! موہن لال میں تمہاری ایمانداری۔ بہادری اور کل کاموں سے نہایت خوش ہوا۔ تم نے وہی کیا جو ایک جانباز فوجی افسر کو زیبا ہے۔

موہن۔ یہ سب حضور کا اقبال ہے ورنہ حقیر بہلا کیا کر سکتا ہے۔ شکر ہے کہ میں اپنے ولی نعمت کی پہلی خدمت میں پورا اترا۔ مگر میں حضور سے خوشامدیوں کی طرح کسی تعریف یا صلہ کا خواہاں نہیں ہوں۔

نواب۔ سچ کہتے ہو۔ تم ایسے ہی ہو۔ میں تمہیں بہت متین اور خیرخواہ سمجھتا ہوں۔ اب تم میری عنایات کے امیدوار ہو۔

ایک مصاحب۔ (اپنی ترنگ میں) اور حضور یہ تو دریافت فرمائیں کہ انکی معشوقہ بہی ملیں یا نہیں۔

اتنا سنا تہا کہ موہن پر خوفناک سناٹا چہا گیا۔ اس پر غشی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اور پہر کچہہ دیر کے بعد اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ بہادری اور جوانی کا خون اُسکے ہر رگ و پے میں جوش مارنے لگا۔ اُس نے حقارت آمیز نگاہوں سے اپنے ارادوں کے پوشیدہ رکہنے کے لئے سراج الدولہ کی طرف دیکہا اور پہر نگاہیں بدل لیں۔ اسکے بعد اُن مصاحبین کے جانب غصہ بہری آنکہوں سے دیکہنے لگا جو اپنے کو نیابت شاہی کہو بیٹہے تہے۔ لیکن اس کی نظروں کو سراج الدولہ تاڑ گیا اور اس نے فوراً بات اس طرح کاٹ دی۔

نواب۔ ہاں موہن لال یہ تو بتاؤ کہ تم اپنے ارادوں میں کامیاب ہوئے۔

موہن۔ (دیر کے بعد) نہیں خداوند۔

ایک مصاحب۔ (مسخرے پن سے) آخر تمہیں بتلانے میں کیا عذر ہے؟ کوئی حصہ تو مانگتا نہیں یہ سنتے ہی موہن لال کی بگڑی ہوئی طبیعت اب بالکل قابو سے باہر ہو گئی اور اوس نے غصہ سے یہ کہنا شروع کیا۔

موہن۔ (بلند آواز میں) عذر او۔ تم ایسے شرابیوں سے جو دنیا کے سب سے بڑے لوگوں میں ہو۔ جو لوگ خوشامد پسندی اور اپنے مالک کو بری راہیں دکھلاتے ہیں وہ کبھی کسی حال میں بہتری نہیں دیکھ سکتے۔ تم لوگ وہ ہو کہ جسکو ایک خدا ترس شخص جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھا سکتا ہے۔ تم اپنی ملت ہی کے خلاف نہیں بلکہ مصلحت کے بھی خلاف چلنے ہو۔ تم ذرا سے مزے کے لئے جو دیرپا نہیں تمام ملک کو برباد کرنے پر آمادہ ہو گئے ہو۔ تم لوگوں سے اور موہن لال کو عذر جو اپنے سینہ میں ایک بہادر اور غیور دل رکہتا ہے جس کی تلوار ہمیشہ تم ایسے بدکرداروں کے خون کی پیاسی ہے تم لوگ میرے مالک کی سلطنت کے برباد کرنے والے ہو۔ تمہاری ہی نازیبا حرکتوں سے تمام ملک میں غدر مچ گیا ہے۔ آہ شاہی نمک کا پاس نہ کرنے والے ناعاقبت اندیشو ذرا سوچو تو کہ تم اُس وقت کیا جواب دوگے۔ جب کوئی عادل تمہارے ان افعال کی باز پرسی کرے گا۔ جس طرح تم لوگوں کی یہ ناافعالیاں صفحۂ تاریخ پر نقش کالحجر ہو کر رہیں گی۔ اُسی طرح میری وفاداریاں اور جان نثاریاں بھی پایۂ ثبوت کو پہونچ جائیں گی۔ دیکہو مرنا ہی ہے اور اوس کے بعد تمہارے ملت کے مطابق نہیں کسی پوچھنے والے کو منہ بھی دکہانا ہے۔ انہیں افعال قبیحہ سے ملک کی نظروں میں تم لوگ حقیر اور ذلیل نظروں سے دیکھے جاتے ہو۔ آہ افسوس! تم اور مجھکو اپنی تخنوط الحوابی میں بنانے کی فکر کرو۔ (تلوار دکہا کر) دیکہو یہ سپاہیوں کی جان اور شاہوں کی آبرو میرے قبضہ میں ہے۔ اس سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔ یہ تم ایسے بزدلوں کی سزا کے لئے بہت کافی ہے۔ گو میری یہ تقریر خلاف ادب اور بندگان عالی کے مزاج اقدس کے خلاف ہو سکتی ہے۔ مگر حاضرین دربار یاد رکھو کہ تم ایسوں کی حالت سدھارنے کے لئے بڑے بڑے ادیبوں کے کلام کے مقابل ہے۔ مجھپر بندگان عالی کی ناراضی کا جو کچھ اثر کیوں نہو اور میں کسی سزا کے قابل کیوں نہ ٹہرایا جاؤں لیکن میں اپنے آقا کی نمک حرامی کبھی نہیں کر سکتا (اُس مصاحب سے مخاطب ہو کر جس نے کہا تہا کہ کوئی حصہ تو نگاتا

نہیں) تم اور غصہ کا لفظ استعمال کرو۔ جوش میں آکر ہاں تم غصہ لگا سکتے ہو اگر تمہارے پہلو میں وہ دل بھی) ہو جسکو بہادر رکھتے ہیں۔ مگر بہادر دل تو کبھی ایسے مہمل جملے استعمال نہیں کرتا دکھتی ہوئی تلوار دکھاکر اور ہونٹھ چباکر) موہن کو اس وقت اس امر کا زیادہ صدمہ ہے کہ اوس نے یہ الفاظ ایک خوشامدی کی زبان سے دربار کے باہر نہ ورنہ اس کا مزا چکھا دیتا۔ ادب شاہی اور حق نمک مجھکو مجبور کر رہا ہے کہ میں خون کے گھونٹ پیکر خاموش ہو رہوں۔

اس کے اس غصہ کی تقریر نے دیر تک دربار میں سناٹا کر دیا۔ سراج الدولہ کچھ اپنے نشہ کی حالت میں سمجھا اور کچھ نہ سمجھا۔ مگر مصاحبین اس منچلے اور بہادر نوجوان کی تقریر اور دنداں شکن جواب سے سربگریباں ہوکر رہ گئے۔ اس کے بعد اس نے ایک فہرست مال و زر کی سراج الدولہ کے سامنے پیش کی جسے دیکھکر وہ بہت خوش ہوا۔ حساب فہمی کے بعد موہن لال ضروری باتیں عرض کرکے نواب سے رخصت ہوکر چلا گیا۔

راوی۔ کیا اچھا ہوتا اگر سراج الدولہ اس وقت نشہ میں نہ ہوتا اور موہن لال کی یہ نصیحت آمیز اور پرجوش تقریر اوس کے دل پر اثر کر جاتی۔ انصاف کی نگاہوں سے دیکھتا اور اوسکی پیروی کرکے ان برے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرتا۔

سچی بات میں گو وہ سخت الفاظوں ہی میں استعمال کی گئی ہو کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے۔ اور سراج الدولہ کے دیر با وجود اس نشہ کے بھی اس تقریر کا قدرے اثر ہوا اور وہ سر جھکاکر کچھ سوچنے لگا۔ مگر افسوس ہے کہ شراب کے نشہ نے اُس کی قوت فہمیہ کو زائل کر دیا تھا وہ اپنی اُس حالت کو بدل نہ سکا۔

مدہوش مصاحبین جو موہن لال کی اس تقریر سے محجوب اور شرمندہ ہو رہے تھے اور حجاب سے سر نہ اُٹھاتے تھے کچھ عرصہ تک اسی طرح خاموش بیٹھے رہے اور پھر اسیطرح دور شراب چلنے لگا۔ ان سبھوں نے موقع پاکر موہن لال کی برائیاں شروع کیں جو اس وقت غصہ اور جوش میں دربار سے نکلکر میر مدن کے پاس پہونچا ہے اور یہ کل کیفیت بیان کر رہا ہے۔

سراج الدولہ کی یہ صحبت تھوڑے ہی دیر میں درہم و برہم ہوگئی۔ کیونکہ شراب کے نشہ نے سب کو بالکل مدہوش کر دیا۔ دربار برخواست کیا گیا۔

چوتھا باب

دکھا دے اثر تو بھی اے جذب الفت
رقیب اُن کو کچھ بدگماں کر رہا ہے
دیکھو خبردار کبھی ظاہر نہ کرنا

اس وقت کچھ ایسا سماں ہے کہ معمولی توجہ سے کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ اللہ کیا سامان ہے جیسے دیکھکر عقل گم ہوئی جاتی ہے۔ دیکھئے سیاہئے شب کی دفعیہ کرنے والی روشنی شاید آیا چاہتی ہے۔ بزم فلک میں روشن تارے جھلملانے لگے ہیں۔ اور اوس بھی بچالی رات کو کیسی زینت دے رہے ہیں سراپا نور کا پوری ظلمت میں اپنی آب وتاب دکھانا کچھ ایسا منظر ہے جیسے دیکھکر یہ خیال ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے لئے یہی خیالات دنیاوی تو ہمات سے علحدہ ہوکر ویسے ہی صاف ہو جاتے ہیں کہ جیسے ان چمکتے ہوئے تاروں کی روشنی ہم بڑے غور سے اس خوشنما منظر کو دیکھتے ہیں مگر وہ بذاتہٖ ہم کو خوش نہیں کرتا۔ اس مقام پر اگر یہ کہا جائے کہ ہم کچھ نہیں ہمارے خیالات مہمل ہیں اور جو کچھ ہم دیکھتے ہیں محض خیال ہے۔ تو پھر اُنکو فلسفیانہ نگاہ سے دیکھکر ہمارے دل میں خوشی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ اور محویت کا عالم کیوں ہم پر طاری ہو جاتا ہے کہ ہم بیقرار ہوکر تعریف کر دیتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ ہم نے یہ تعریف کسکی کی۔ وہ کون اور کیسا ہے۔" ہماری عقل اور ہمارا نفس ناطقہ جو نہ جسم ہے اور نہ جسمانی ہے (جیسے ہم کو منطق بتلا رہی ہے اور بحث واشتال کا نتیجہ نکلتا ہے) اس لئے اوس کو ہم جسم خاکی کا جوہر سمجھتے ہیں" ان باتوں کا کرنے والا یعنی جوش اور محویت وغیرہ کا دینے والا کوئی ایسا قادر ہے۔ کہ ہم جسے دیکھتے نہیں مگر پھر بھی ہمارے دلی تفکرات کسی ثبوت عقلی یا نقلی سے اُسکی موجودگی کا ثبوت دیدیتے ہیں باوجودیکہ اُس نے اپنے حقیقت کی مثالی شئے دنیا میں پیدا ہی نہیں کی۔ کوئی بڑی قوت جو ظاہر میں پوشیدہ ہے لیکن باطناً وہ ہمارا شانہ ہلاکر کہہ رہی ہے کہ ہم کو پہچانا یا نہیں۔ ہم وہ ہیں کہ بغیر اپنی صورت دکھائے ہم نے تمہارے اوس چہرہ میں جو عدم اور وجود دونوں کے درمیان ہے

ایک جھلک پیدا کر دی ہے۔

اتنا ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے پہلے بھی عدم تھا اور آخر نتیجہ بھی عدم ہے۔ لیکن وہ حالت جبکہ ہم اپنے لئے ہم کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔ اُس وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ لفظ ہم دو عدم کے درمیان کیونکر آگیا اور وہ کیا ہے۔ اس کے بارے میں صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ وہ وہی قدرت ہے جس نے دو عدم میں ایک وجود پیدا کر دیا ہے۔ اور جب پیدا کرنے والی کوئی چیز ثابت ہو گئی تو لامحالہ اوس کا وجود بھی ضرور ہے جس میں غیر لایتجزا یا مادہ لطیف ہونے کی قابلیت ہے۔ اور وہ وہی ہے جو ہم کو وجود میں لایا اور دنیاوی کرشمے دکھانے میں وہ دلچسپی پیدا کر دی ہے کہ ہم اپنا آخری نتیجہ عدم بالکل بھول گئے۔

جب ہم اس دنیا کو چھوڑنے لگتے ہیں تو اُس وقت ہمارے پیش نگاہ راحت کے سامان بھی بڑے معلوم ہوتے ہیں اور کسی کا خوف دلپر نہیں ہوتا ہے۔ یہ کیوں اور کس لئے جب کوئی رشتہ نہیں تو خوف کس کا اور کیوں؟ کچھ تو ضرور ہے جیسے ہمارا نفس ناطقہ بتلاتا ہے۔

ہمارے جسم کے مختلف حالات اور طرح طرح کی قوتیں یہ سب ایک ہی مادہ ہیں۔ مگر انہیں میں سے جو کوئی باقی ہے وہ فانی بھی ہے۔ یعنی بنا یہ فعل اور فنا یہ قوت۔ اور بعض ہمارے حواس خمسہ سے بالکل الگ یعنی وہی نفس ناطقہ۔ تو پھر جب ایک ہی مادہ ہے اور مادہ ہی کل ہے تو عدم خدا کی کیا وجہ ہے۔ یہ مادہ کہاں سے آیا۔ ابھی یہ مادہ وغیرہ کچھ بھی نہیں نہیں، جو کچھ ہے وہ قدرت ہی ہے۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ہم صاف صاف کہدیں کہ بلا وجہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اور وہی وجہ ہمارا مقصود ہے۔

راوی۔ اس مقام پر ناظرین گھبراتے ہونگے کہ یہ بے موقع تقریر کیوں ہے۔ سچ ہے مگر نہیں ذرا غور کیجئے تو ہمارا اصل مطلب آپکے دلپر افشا ہو جائے۔ کیونکہ بھلا ہم کیا اوس معبود حقیقی کی کنہ ذات کو دریافت کر سکتے ہیں۔ ہمارا مطلب تو اس بیان سے اور ہی کچھ ہے۔ مجھے تو صرف اُن لوگوں سے یہ پوچھنا ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہمیشہ سے اسی طرح سے اور اسی طرح رہے گی۔ ذرا دیکھئے تو ابھی تھوڑی ہی دیر میں کیسا انقلاب ہو گیا۔ کچھ قبل اجرام فلکی کیسے بھلے معلوم ہوتے تھے کہ جنکے نظارہ کے لئے آپنے اپنی پیاری نیند

خراب کر ڈالی اور اُٹھ بیٹھے تھے۔ مگر اب مشرق کی طرف تو نگاہیں پھیرتے دیکھئے تو وہ کیا چیز ہماری آنکھوں کو دکھائی دیتی ہے۔ اور ہمارے محدود عقل کس بات کا امتیاز کر رہی ہے۔ غرض وہ بھی اسی کا کرشمہ تھا جو آسمان اور تاروں میں دکھائی دیتا تھا اور یہ بھی اُسی کا فعل ہے جو آفتاب عالمتاب کی آمد کو ظاہر کر رہا ہے۔

ابھی ہم اوسی محو تھے کہ دفعتاً کسی خیال سے ہماری گردن اونہیں تاروں کی طرف پھری جو اب بزم فلک سے رخصت ہو رہے تھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئے۔ شجر سے سنوارے ہوئے طیور نے وہ بربط اور دلکش نغموں سے زمزمہ سنجی شروع کی کہ ہم سے عاشق مزاجوں نے کلیجہ تھام لیا۔ اور جھوم جھوم کر تعریفیں کرنے لگے۔

نسیم سحری نے اب یہ غضب ڈھانا شروع کیا کہ کہیں تو کسی کے چاندسے مکھڑے پر پڑے ہوئے گھونگھٹ کو ہٹا دیا اور کہیں کسی غنچہ نوشگفتہ کو وہ چٹکلہ سنا دیا کہ اُس سے بھی خاموش رہتے نہ بن پڑا۔ بے اختیار ہو کر ہنس ہی پڑا۔ غرض یہ ایسا کچھ دلفریب سماں تھا کہ ہمارے دل کو بھی بہا لیا۔ اور ہم یہ بہار دیکھکر بہت خوش ہوئے۔

مگر کیوں ناظرین اُس وقت کیسے خوش ہوتے کہ ہم مرشدآباد کے فرمانروا کے دربار کی بھی انصاف کے ساتھ ویسی ہی زینت دیکھتے جیسی کہ ابھی اس قدرتی منظر میں دیکھی ہے آہ! وہاں کا تو نام لینے کو جی نہیں چاہتا۔

سراج الدولہ سے نواب ایسی بدنامی پھیلا۔ یہی ہے کہ دوسرے ممالک کے لوگ بھی جمع ہو کر اسکے نئے روئیے قائم کرنے لگے ہیں۔

شب کو جیسا کہ آپنے ملاحظہ فرمایا سراج الدولہ نشہ میں کچھ ایسا مست ہو رہا تھا کہ اوس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ موہن لال نے کاغذ کیسا سمجھایا اور درباریوں سے کس قسم کی باتیں ہوئیں اسکو اگر کچھ خیال ہے تو صرف اتنا کہ موہن لال مجھے ایک کاغذ دیگیا ہے جسکے مجھے دیکھنا اور سمجھنا ہے۔ صبح کو اس نے اس کاغذ کو پھر دیکھا اور مدبروں کی تعداد دیکھکر دل میں بہت خوش ہوا جسے اس کے ذیل شدہ مصاحبین سمجھ گئے۔ اور ایک نے دوسرے کو اشارہ کی نظروں سے دیکھا جسکا منشا یہ تھا کہ اب موہن لال کی برائیاں کرکے نواب کا دل پھیرنا چاہئے۔

نصیر خاں۔ خداوند نعمت کو کچھ خیال بھی ہے کہ یہ موہن لال صرف ہمیں کو نہیں بلکہ حضور

پر بھی کیسی طعن کر گیا۔ ہم لوگوں کو کیا کیا نہیں بنایا اور بنا کسی ہنر کے وہ بندگان عالی کی خدمت سے چلا گیا۔ اب تو وہ کیسے ... اور بھی ترقی پذیر ہوں گے۔ غصہ تو صرف اِس کا ہے کہ وہ حضور کو بھی بہت کچھ کہہ گیا۔

نواب۔ کیا کہا تھا موہن نے؟ آخر کچھ کہو تو۔

نقیب۔ خداوند۔ اُس نے ہمیں شرابی ... کا ... اور خدا جانے کیا کیا بنایا۔ اور طرہ یہ کہ حضور پر بھی فقرے کسے

نواب۔ دیکھو دیر سوچ کر پہلے یہ تو بتاؤ کہ جو کچھ اُس نے کہا وہ غلط ہے یا صحیح۔

نقیب۔ (بغلیں جھانک کر) حضور ہے تو سچ ..... مگر۔

نواب۔ کیا سچ۔ مگر صاف صاف کہو۔

نقیب۔ خداوند نعمت وہ سچ ہی کیوں ہو مگر حضور کے کسی فعل پر اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ دوسرے طرہ یہ کہ ہمیں لوگوں میں حضور کو بھی شامل کر لیا۔

نواب۔ اُس نے شامل نہیں کیا بلکہ تم نے حضور کو شامل کر لیا ہے۔ اگر میں تم لوگوں کی وجہ سے اِس حالت کو نہ پہونچتا تو یقیناً اُسکو اِس امر کے کہنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ بس خاموش رہو۔ میں موہن لال کی نسبت نہ کچھ سننا چاہتا ہوں اور نہ اجازت دیتا ہوں۔

راوی۔ ایں! موہن لال! یہ کیا۔ ہم نے تو کبھی سراج الدولہ کو ایسی عقلمندی کی باتیں کرتے نہیں سنا۔ یہ اِس وقت کیا ہو گیا۔ اِس وقت تو گویا وہ اپنی حرکتوں سے الگ ہو کر تیری قدر کر رہا ہے۔ شاید وہ نشہ میں نہیں ہے۔ ہاں دیکھ تیرے بلانے کو اُس نے ایک چوبدار بھیجا ہے۔ وہ خود کسی خیال میں ٹہل رہا ہے۔

تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ چوبدار نے موہن لال کے آنے کی خبر دی اور اجازت ملنے کے بعد ہمارے دوست نے حاضر ہو کر پہلے تو اُس نے حقیر نظروں سے حاضرین جلسہ کو دیکھا اور نواب کو نہایت ادب سے سلام کر کے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

نواب۔ (اپنا فاخر قیمتی لبادہ اُتار کر اور پُر جوش لہجہ میں اُٹھتے ہوئے) میں اپنے خیر خواہ کو جو ہر کام بہادری اور وفاداری سے کرتا ہے اُسے عزت سے سرفراز

کرتا ہوں" یہ کہکر اُس نے موہن لال کو بلایا اور جب وہ سر جھکائے ہوئے نزدیک ہو نچا تو اپنے ہاتھ سے لبادہ پہنا کر یوں تقریر کرنا شروع کیا۔ موہن لال مجھے معلوم ہے کہ تم میرے نمک خوار اور سچے باوفا ملازم ہو۔ میں تمہاری ہمیشہ قدر کروں گا"

اس کے بعد سراج الدولہ تخت سے اوترا اور موہن لال کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے ایک کمرہ میں چلا گیا۔ مصاحبین حیرت کے عالم میں رہ گئے دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا اور سراج الدولہ نے موہن لال سے یوں کہنا شروع کیا۔

موہن تم غصہ کی حالت میں اپنے اوس بڑے کام کو تو ظاہر کرنا نہیں چاہتے جسکا انجام چھ مہینہ پیشتر صرف تمہارے ہی وجہ سے ہوا ہے۔

موہن۔ توبہ توبہ۔ مردوں کا یہ کام نہیں کہ جس بات کے وہ رازدار ہوں اوسکو کسی موقع پر ظاہر کر دیں۔ حضور عالی نے جس مرحمت خسروانہ سے کام لیکر ایک ادنے غلام کی قدر افزائی فرمائی اور جسکی خوشی میرے دل میں جوش مار رہی ہے۔ اُسکے لئے میں یقین دلاتا ہوں کہ میرے جان کے ساتھہ ہے کبھی ظاہر نہیں کرسکتا۔

نواب۔ شاباش مجھکو تم سے ایسی امید ہے۔ دیکھو خبردار کبھی ظاہر نہ کرنا۔

اس کے بعد سراج الدولہ یہ کہکر میں ابھی آتا ہوں باہر نکل آیا اور نصیر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا نصیر تم جانتے ہو کہ کشنداس کلکتہ بھاگ گیا اور قلعہ میں ہے۔ راج بلب کے مال پر قبضہ کرنا بہت ضروری بات ہے۔ لہذا میں تم کو اس امر پر مامور کرتا ہوں کہ تم کلکتہ جاؤ اور مسٹر ڈریک گورنر قلعہ سے کہو کہ تمہاری سرحد میں ہمارا ایک ملزم آگیا ہے اوسکو فوراً بھیجدو ورنہ یاد رکھو کہ تمہاری آزادی چھین لی جائے گی اور جس امن کے ساتھہ تم تجارت کرتے ہو پھر حاصل نہو گی۔ مفت میں مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

نصیر۔ بہت بہتر خداوند میں کل ہی چلا جاؤں گا۔

یہ تقریر ہمارا دوست موہن لال بھی سن رہا تھا اور جب سراج الدولہ پھر اندر آیا تو اس نے بھی کچھ دنکی رخصت نواب سے لی۔ اسکے بعد سراج الدولہ نے اسکے کان میں کہا اور موہن لال فوراً وہاں سے نکلکر مغرب کی طرف چلا گیا۔

پانچواں باب

نکہا یاں کنج قفس مجھکو آب و دانے نے
وگرنہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیاد
بیچارے کی چھپانے ملنا رہ گیا

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر ٢٥ برس حکومت کرچکا یعنی اوسکی حکومت کا زمانہ ختم ہوچکا تہا انگریزوں کو کلکتہ میں موجودہ فورٹ ولیم کے بنانے کی اجازت ملی اور یہ بڑے کہ سائش سے رہنے لگے بڑے بڑے تجار جمع ہوگئے اور یہ بہی مثل ولندیزا اور فرانسیسی لوگوں کے تجارت کرنے لگے۔ بادشاہ کو قریب ٥ ہزار روپیہ سالانہ کے دینا شروع کیا۔ اس درمیان میں بہت سے ملکی انقلاب ہوئے جس سے کبہی تو اچھی طور سے بسر کرتے اور کبہی گہر بار ترک کر چہوڑ دینے پر مستعد ہوجاتے کیونکہ بنگالہ کے باشندے نئی قوم سمجہکر انسے مغائرت کا برتاو کرتے تہے۔

علی وردی خاں کے زمانہ تک تو اس قوم کو کبہی یہ خیال بہی نہیں ہوا کہ یہاں کی فرماں روائی کا تاج اُن کے سر پر آب و تاب کے ساتھہ چمکے گا۔ مگر اوس کے بعد سے کچہ ایسی بے عنوانیاں شروع ہوئیں کہ مجبوراً اونکو ہندوستانیوں کی حکومت میں دخل دینا پڑا۔ اور اونہوں نے یہ دکہلا دیا کہ رعایا پروری اور سلطنت یوں کرتے ہیں۔

واقعی ناظرین! ہمارے انصاف پسند اور مہربان گورنمنٹ نے کسقدر جلد ہزاروں قسم کی ترقیاں حاصل کیں۔

سراج الدولہ کی صوبہ داری کے زمانہ میں بہی مسٹر ڈریک وہاں کے گورنر تہے اور اونہیں کے ماتحت وہاں کے لوگ کام کرتے۔ کچہ تہوڑی سی انگریزی اور ہندوستانی فوج بہی تہی۔ میگزین کا سامان بہی قلعہ میں موجود تہا یا یوں کہئے کہ ایک چہوٹی لڑائی کا بندوبست کیا گیا۔

نصیر یعنی وہی منہ چڑہا ملازم جسکو نواب سراج الدولہ نے کشن داس کی گرفتاری کے لئے مسٹر ڈریک کے پاس بہیجا تہا اب پہونچ گیا ہے اُسکے ساتھہ چار پانچ آدمی ہیں اور بڑے غرور کے ساتہہ وہ ہر طرف دیکہتا ہوا چلا جاتا ہے۔ ایک بڑا مکان کرایہ پر لیا ہے اور وہیں پڑاو ڈالا ہے۔

ہم کو خبر ملی ہے کہ ہمارا دوست موہن لال بہی یہاں آیا ہے لیکن نصیر کے

ساتھ نہیں اور نہ اُس کو اسکی اجازت ملی ہے کہ وہ نصیر کے ساتھ رہے۔ ناظرین! اسکے یہاں آنے کی وجہ تو بخوبی جانتے ہیں جسکے لئے وہ یہاں آیا ہے۔
اوس کی پیاری حمیدا ہی تو اپنے بہائی کشمنداس کے ساتھ نہیں آئی ہیں۔ وہ اس لئے کلکتہ آیا ہے کہ اپنی معشوقہ کے نازک دل سے اُس رنج کو دور کر دے جو اُس کے خط سے معلوم ہوا تہا۔ اور جس نے آجتک اوسکو آرام سے سونے نہیں دیا۔ آسودگی سے کہانے کی نوبت نہیں آئی۔
یہ تو ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہے اور نہ ہمکو اس کی ضرورت ہے کہ ہم اوسکی تلاش کریں ہاں یہ ضرور ہے کہ نصیر خاں کی انجام دہانی پر غور کریں کہ وہ حضرت اس عہدہ کو ایک معزز افسر کے سامنے کیونکر ہاتے ہیں دیکھئے! وہ قلعہ کے اوتروالے پہاٹک میں کوئی شخص داخل ہوا اور کوئی انگریز آکر اُسکو لے گیا۔ اور مسٹر ڈریک کے سامنے بہو نجا دیا۔
مسٹر ڈریک اس وقت اپنے ضروری کاغذات دیکھ رہے تہے ایک نئے شخص کو جو ان کی ملاقات کو آیا تہا دیکہکر اپنے کام کو کچھ دیر کے لئے ملتوی رکہا اور اوس کو غور سے دیکہنا شروع کیا۔ نصیر کا کوئی خیال اُس کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ نہ تو صولت و شوکت اس کے چہرہ سے ظاہر ہوتی تہی اور نہ نواب نے قبل سے کچھ اطلاع دی تہی۔

مسٹر ڈریک۔ آپ کہاں سے آئے ہیں۔

نصیر۔ میں نواب سراج الدولہ بہادر کی خدمت عالی سے حاضر ہوا ہوں۔

مسٹر ڈریک۔ اخاہ آپ نواب کے پاس سے آئے ہیں۔ کیا کوئی ضرورت ہے۔

نصیر۔ ہاں بہت ضروری کام ہے۔

ڈریک۔ فرمائیے۔ میں اُسکے سننے کے لئے مستعد ہوں۔

نصیر۔ وہ یہ کہ آپکی حفاظت میں ایک شخص کشمنداس معہ اپنے خاندان کے ڈہاکہ سے بہاگ کر آیا ہے جو نواب کا ملزم ہے۔ میں آپکے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ آپ سے دیکر اوسکو گرفتار کرکے سرکار عالی میں لیجاؤں۔

ڈریک۔ ہاں وہ ضرور میری حفاظت میں ہے مگر میں اُسے آپکو دے نہیں

سکتا۔

نصیر۔ توکیا آپ نواب سے جنگ کرنے پر مستعد ہیں۔

ڈریک۔ جنگ کی تو کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

نصیر۔ نہیں ضرور، کیونکہ میں جب بلانتیجہ اسکے مرشدآباد جاؤں گا تو وہ آگ ہوجائینگے۔ اور پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں۔

ڈریک۔ آپکے پاس نواب کا کوئی خط نہیں ہے جسپر میں عمل کروں۔

نصیر۔ جب میں خود ہی آیا ہوں تو پھر خط کی کیا ضرورت ہے۔

ڈریک۔ آپ اسکا کیا ثبوت دیتے ہیں کہ آپ نوابکے پاس سے آئے ہیں۔

اب نصیر خاں سوائے اسکے اور کیا کہہ سکتا تھا کہ عرف میں بذات خاص بھیجا گیا ہوں۔ اور کوئی ثبوت میرے پاس نہیں ہے۔ آخرش اپنی اس ناکامی پر جھجھلا کر بولا۔

نصیر۔ تو معلوم ہوا کہ آپکو ملزم کا دینا منظور نہیں ہے۔

ڈریک۔ اس صورت میں تو میں ہرگز نہیں دے سکتا جب آپکے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اب نصیر کچھ تو اپنی ناکامی اور کچھ مسٹر ڈریک کی گفتگو سے غصہ میں اٹھا اور یہی سوچتا ہوا چلا کہ نواب کو ڈریک کا دشمن بنانا چاہیئے جس سے جنگ کی ٹھہر جائے اور بہت جلد اس بیرخی کا بدلہ لوں۔

یہ تو ہمارے ناظرین جانتے ہیں کہ نصیر خاں اپنی سفارت کے غرہ پر بہت جوش میں تقریر کر رہے تھے اور جواب ہی نرکی بترکی پاکر پشیمان ہو چکے تھے۔ اسی غصہ میں اونہوں نے مکان پر پہونچتے ہی ملازموں کو واپسی کا حکم دیدیا۔

اب آفتاب کی وہ سنہری کرنیں جو صبح کو بھلی معلوم ہوتی تھیں اُن میں اس قدر حدت آگئی ہے کہ دھوپ ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ تمام چیزیں گویا کرۂ نار ہو گئیں۔ لو ن چل رہی ہے گھر سے باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا آسمان پر چیلیں منڈلا رہی ہیں۔ باوجود اس کے بیچارے غریبوں کو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ نہ نازک ... دماغ امیروں کی طرح نازوں کے پالے ہیں اور نہ انکے جسم ایسے ہیں کہ ذراسی تکلیف اونہیں اذیت پہونچا سکے۔ صرف اپنے بچوں میں بیٹھے ہوئے خط زندگانی لوٹا کرتے ہیں انکا اس میں

دل بہلتا ہے ان کی بڑی تکلیف یہی ہے کہ جب یہ اپنے بچوں کے لئے فکر معاش میں سرگرداں ہوتے ہیں اور باوجود محنت کوشش کے بھی ناکامی اپنی منحوس صورت دکھا کر گھبرا دیتی ہے۔

واقعی اس وقت غضب کی دھوپ ہے مگر دیکھئے تو وہ قاسم بازار کی طرف کون شخص چلا جا رہا ہے کچھ پہچانا صورت تو ذرا آشنا معلوم ہوتی ہے۔ قریب جائیں تو معلوم ہو...... اخاہ یہ تو ہمارا بہادر جنرل موہن لال ہے۔ مگر اس وقت اس جلجلاتی دھوپ میں کہاں جا رہا ہے۔ عجیب آدمی ہے بھلا اس وحشت کا کہیں ٹھکانا ہے کہ دوپہر کو بھی آرام نہیں کرتا۔ اور سیر طرہ یہ کہ اپنی دھن میں کس قدر محو ہے کہ سر و پا کا بھی خیال نہیں۔ گویا اس کڑی دھوپ کا اوس پر اثر ہی نہیں ہوتا سب پر مضاعف تو یہ ہے کہ اپنے اسی محویت میں کچھ دل سے باتیں بھی ہو رہی ہیں۔

صبح سے یہ وقت مجھکو پھرتے پھرتے ہو گیا۔ لیکن کہیں گم شدہ اس کے مکان کا پتہ نہ لگا۔ کہاں ڈھونڈھوں اور کس سے پوچھوں وہ بھی تو ابھی تازہ وارد ہے۔ اوسکو ابھی جانتا کون ہوگا۔ مجھے کیوں کر پتہ ملیگا پھر کیا کرنا چاہئے (کچھ ٹھہر کر) کرنا کیا ہے یوں ہی یہاں کے محلے چھانتا پھروں۔ کہیں پتہ مل ہی جائے گا۔ ہائے قسمت! چھاب میں ایسے شخص سے پوچھوں جو اس دریا کا حال جانتا ہی ہو جسسے وہ مکان معلوم ہو مگر نہیں ایسا تو کوئی نظر نہیں آتا۔ تو کیا میں یہاں کے حاکم مسٹر ڈریک کے پاس جا کر ان تازہ واردوں کا پتہ لگاؤں۔

ہاں یہی بہتر ہے۔ اتنا سوچکر موہن لال نے قلعہ کی طرف اپنا گھوڑا بڑھایا۔ یہ بڑے ہی زور میں چلا جاتا تھا کہ سامنے سے اسکو چند انگریزی سپاہی آتے معلوم ہوئے اور اون کے ہمراہ ایک شخص اور تھا جو اپنے چہرہ کو اس طرح چھپائے تھا کہ اوس کی صورت صاف پہچانی نہ جاتی تھی اور نہ اوس کے منہ چھپانے کی کوئی وجہ معلوم ہوتی تھی۔

ہمارا موہن لال بڑے ہی اشتیاق سے انگریزی سپاہیوں کی طرف بڑھا تھا کہ اوس شخص نے جو منہ چھپائے ہوئے تھا اس کی طرف اشارہ کیا جسپر وہ سپاہی جلد جلد اس کی طرف بڑھے اور چشم زدن میں گھیر لیا چاروں طرف سنگینیں چمکنے لگیں۔

اب موہن لال کو خود حیرت میں ہے کہ میری اس گرفتاری کی وجہ ظاہرہ معلوم نہیں ہوتی

میں کہاں تو مسٹر ڈریک سے ملنے کے لئے جا رہا تہا اور کہاں اس آفت آسمانی میں مبتلا ہو گیا۔ وہ ذرا بھی نہ سمجھا کہ کس جرم پر وہ گرفتار ہو کر قلعہ میں جا رہا ہے اور وہاں کیا سلوک کیا جائے گا۔

موہن لال۔ (ان سپاہیوں سے مخاطب ہو کر) تم لوگ کس جرم پر مجھے گرفتار کرتے ہو۔

ایک۔ تم جاسوس ہو اور نواب کی طرف سے ہماری حالت دریافت کرنے آئے ہو۔

موہن۔ میں کیا جاسوس ہوں! تم جھوٹ سمجھے۔ میں ہرگز اس غرض سے نہیں آیا۔ میں صرف اپنے ایک دوست سے ملنے آیا ہوں۔ مجھے چھوڑ دو ورنہ اسکا نتیجہ خراب ہو گا۔

سپاہی۔ (ہنسکر) ہم نے اور تو کسی کو ایسا سیر کرنے والا نہیں دیکھا کہ اس دہوپ میں گھوما کرے ضرور تم جاسوس ہو۔

موہن۔ میں نواب کا ملازم تو ضرور ہوں مگر میں اس غرض سے نہیں آیا ہوں میں آجکل رخصت پر ہوں۔

سپاہی۔ جو کچھ ہو مگر اس وقت تو تم کو گرفتار کرکے لے چلنا ہے سبکا حکم ہمکو ہمارے افسر نے دیا ہے۔ وہاں پہونچکر تم اپنی صفائی دے لینا۔ ہم کو تو صرف گرفتاری کا حکم ملا تہا وہ پورا ہو گیا۔ اس کے بعد وہ سب سپاہی اسکو لئے ہوئے قلعہ کی طرف چلے گئے اور یوں موہن لال کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔

چھٹا باب ۶

خدا ہی بچائے تو جان اب بچے
رقیبوں کے کہنے میں وہ آ گئے

جنگ کی تیاریاں

نصیر خاں جسے اس روز آپنے کلکتہ میں مسٹر ڈریک کے پاس سفارت کے عہدہ پر دیکھا تہا آج وہ مرشد آباد پہونچ گیا ہے۔ نواب سراج الدولہ کی صحبت میں پہونچنے کا

اسکو ایسا اشتیاق تہا کہ یہ گہر بہی نہیں گیا۔ سیدہا اسی طرف چلا آیا ہے۔
اسکے بغیر نواب کی کل صحبتیں پہیکی پڑی تہیں اور سب کو خواہش تہی کہ نصیر خاں آلیں تو لطف صحبت حاصل ہو۔ اسکے لئے یہ حکم دیا گیا تہا کہ یہ ہر صحبت میں بلا اجازت شریک ہو سکتا تہا۔ اس لئے یہ اس وقت ہی سیدہا اس کمرہ میں چلا گیا جسکا نام بزم عشرت رکہا گیا تہا۔ اور جہاں نواب کے خراب کرنے والوں کا جمگھٹا رہتا۔ نصیر نے وہاں پہونچکر دہی رنگ پایا جسے چہوڑ کر گیا تہا۔ اور اب یہ مطمئن ہوا۔ اس کے پہونچتے ہی ہر شخص نے خوش ہوکر کہا ”وہ لو نصیر آ گئے“

نواب۔ کہو نصیر کیا کیا باتیں ہوئیں۔

نصیر۔ خداوند نعمت یہ مردود مسٹر ڈرایک حضور عالی کے فرمان تابی کرتا ہے اور اوسکو منظور ہے کہ حضور سے جنگ کرے۔ میں نے بہت سمجہایا مگر اوس نے کسی طرح اس کو میرے حوالہ نہ کیا۔

نواب۔ (بہت غصہ ہوکر) کیا اوسکو ایسا خیال ہے۔

نصیر۔ خداوند نعمت۔ وہ تو فرعون بے سامان ہو رہا ہے۔ بہت بیرخی سے اوس نے جواب دیا۔

نواب۔ تو پہر اوسکے لئے فوجی قوت کو جمع کرنا پڑے گا۔

نصیر۔ خداوند جب تک اوسکی پوری گوشمالی نہ کیجائے گی وہ ہرگز نہ مانے گا۔

نواب۔ قسم خدا کی ہیں کلہہ سے اس کام پر مستعد ہوں گا۔ اسکا کیا مجال ہے کہ ما بدولت کے حکم سے نافرمانی کرے اور صحبت جواب دے۔

نصیر۔ ہاں خداوند ضرور چاہیے۔

نواب۔ دیکہو تو میں اسکا یہ غرور اس طرح نکالوں گا کہ وہ بہی کچہ دنوں یاد کرے گا۔

نصیر۔ اسکے ایسا بیوقوف تو دنیا میں دیکہا ہی نہیں کہ ذرا سی بات پر بادشاہوں کی ساتہہ بے ادبی کر بیٹہتا ہے واقعی اوس کے واسطے کوئی سزا تجویز کرنی چاہیے اور بالفعل تو سوائے جنگ کے اور کسی طرح وہ مانتا معلوم نہیں ہوتا۔

نواب۔ (نصیر کی باتوں سے مغرور ہوکر) بس بس میں اب سمجہ گیا کہ وہ سمجہانے سے نہ مانے گا دیکہو کلہہ ہی مانک چند کو جنگی تیاریوں کا حکم دیا جاتا ہے اور اینچانب

بھی بذات خاص اس مہم کے ہمراہ چلیں گے اور خود ہی اوسکو انجام دیں گے۔

نصیر۔ سبحان اللہ یہ تو اور بہتر ہے۔ حضور کی موجودگی میں سپاہیوں کا جوش اور جان نثاری اور بھی زیادہ ہو جائیگی۔ انگریزی فوج بھلا حضور کی لشکر ظفر پیکر کے سامنے ٹھہر سکتی ہے کبھی نہیں۔ نہ کہ حضور ساتھ رہیں گے تو پھر کس کی مجال ہے کہ مقابلہ کر سکے۔ نصر من اللہ و فتح قریب۔ انشاء اللہ ضرور فتح ہوگی۔

نواب۔ ہماری فوجی قوت اور جرات کے مقابل میں ڈریک کب تاب لا سکتا ہے اسکا قلعہ آن کی آن میں فتح کر لیا جائے گا۔

نصیر۔ بہت درست اور بجا فرمایا حضور نے ضرور ایسا ہی ہوگا یقین ہے کہ حضور مرحوم نواب کی طرح فتحمندی کا نام حاصل کریں۔

راوی۔ ہم افسوس کرتے ہیں کہ آج موہن لال سا بہادر اور دور اندیش شخص نہ ہوا ورنہ وہ اس معاملہ میں عقل سے کام لیکر جنگ کا سامان نہ ہونے دیتا۔ یہاں تو اس وقت او نہیں بد سرشت اور بگاڑنے والوں کا مجمع ہے جو بے وقوف نواب کی تائید کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔ اور جو اُن کی خوشامدوں سے اور بھی پھولا ہوا ہے۔ سب لڑکے بہڑے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے جنگ فتح کر لی۔ معلوم نہیں یہ کشنداس کا بھاگنا اور ڈریک کا اوسکو پناہ دینا کیا رنگ لائے گا۔ اور اس جنگ کا ہندوستان پر کیا اثر پڑے گا۔

نواب۔ کیوں نصیر بالکل بے خوف ہوکر ایسا صاف جواب دیا۔

نصیر۔ حضور اگر وہ بے خوف نہ ہوتا تو ایسا جواب ہی کیوں دیتا کشنداس کو حوالہ ہی نہ کر دیتا۔

نواب۔ (غصہ سے لب چبا کر) اچھا سمجھا جائیگا۔

نصیر۔ خداوندی کی رائے تو پتھر کی لکیر ہے کہ کسی طرح مٹ نہیں سکتی۔ کشنداس کا مال اب کہاں جاتا ہے۔ مگر خیال تو فرمائے کہ کسقدر حلیہ پوشیدہ طور پہ بھاگ نکلا مجھے تو شک معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیونکر بھاگ گیا۔

نواب۔ کیا شک

نصیر۔ نہیں خداوند۔ اوس کے عرض کرنے میں غلبت ہو جائیگی۔

نواب۔ نہیں واللہ تم کہو سنوں بھی تو۔

نصیر۔ حضور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ موہن لال نے اسے نکال دیا کیونکہ اسکو اپنی معشوقہ چمپا کا خیال تہا اور اسی کی وجہ سے اُس نے ایسا کیا ہو تو کیا عجب۔

راوی۔ واہ رے نصیر! اُف کس غضب کا چلکہ چلگیا۔

اس بات کے سنتے ہی نواب کچہ دیر تک خاموش رہا لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ وہ موہن لال پر خفا کیوں نہیں ہوا حالانکہ اسکے پیشتر بہی اُس کی سخت کلامی پر خلعت سے امتیاز کیا تہا۔ غرض تہوڑی دیر کے بعد سراج الدولہ نے سر اوٹہایا اور یہ کہا۔

نواب۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ چمپا کو ضرور ساتہہ لاتا۔ وہ بہی تو نہیں تہی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کشنداس کو پہلے ہی سے خبر ملگئی اور وہ چپ کر چلا۔ موہن کا اس میں قصور نہیں نواب کی زبان یہ بات سنکر سب کچہ گہبرائے تہے کہ نصیر پہر بولا۔

نصیر۔ خداوند نعمت۔ یہ تو ممکن ہے کہ کشنداس سے اُس نے یہ وعدہ لیکر چہوڑ دیا ہو کہ جب وہ کلکتہ جائے تو چمپا کو اس کے حوالے کردے۔ اور وہ حضور سے رخصت لیکر کلکتہ گیا ہی ہے کچہ وہ بے وقوف تو ہے نہیں کہ بلا سمجہے کوئی کام کرے۔

اور معنا تیں حضور ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ نصیر خاں فرماتے ہیں یہ قرین قیاس بہی ہے وہ ضرور چمپا کے لئے گیا ہے۔

گو لوگوں کی یہ برائیاں اور زبردست حلیے نواب صاحب کے برافروختہ کرنے کو کافی تہے مگر خدا جانے وہ کیوں اب بہی خاموش ہے اور پہر کچہ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

نواب۔ اچہا اگر وہ چمپا کو لیکر آیا۔ تو میں ضرور اوس کو سزا دوں گا حالانکہ مجہے یقین نہیں ہے کہ اوس نے بہگا دیا ہو۔

اب کل حاضرین نے شرمندہ ہوکر اپنی ناکامی سے گردنیں جہکا لیں کیونکہ اُن کا منشا یہ تہا کہ وہ اوس کی طرف سے نواب کو بدظن کرکے دربار سے علحدہ کرادیں اس لئے کہ وہ اکثر اُن کی صحبت میں مخل ہوتا اور اُن کی تنبیہ کیا کرتا۔ جو اُن کی بُری طبیعتوں کی بالکل خلاف تہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خفیہ راز یا پوشیدہ باتیں جس سے نواب ایسا تلون طبع خفا نہیں ہوا۔ جس کے نزدیک قتل کا حکم دیدینا کوئی بات ہی نہیں۔ ان لوگوں کو مطلق نہیں معلوم ہے ورنہ یہ سب اُس میں بہی کوئی بُرائی کی شاخ نکال دیتے۔ اور

نواب کو بدظن کر دیتے۔
غرض کچھ دنوں تک جنگ کے سامان درست کرنے میں نواب کو وقفہ ہوا۔ اسی اثنا میں اسکو یہ خبر ملی کہ انگریز اپنے قلعہ کی مرمت کر رہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انگریز اور فرانسیسیوں میں جنکا قبضہ چندر نگر میں ہے ولایت میں جنگ چھڑ گئی ہے۔ فرانسیسیوں کی فوجی قوت چندر نگر میں انگریزی فوج سے زیادہ ہے اس لئے ضرور ہوا کہ وہ اپنے قلعہ کی مرمت کر کے مستحکم بنا لیں۔ نواب یہ سُن چکا تھا کہ مسٹر ڈریک نے گذشتہ اس کو اپیلئے نہیں بھیجا کہ کوئی خط اُسکا دیکھنے بھیجا نہیں گیا تھا اس لئے اس نے اہتمام حمیت کے لئے ایک خط لکھا اور اپنی مہر کر کے ڈریک کے پاس روانہ کرایا۔ جسکا مضمون یہ تھا کہ تم اس خط کے دیکھتے ہی فورٹ ولیم کی تعمیر سے باز رہو اور بقیہ عمارت کو بھی کھدوا ڈالو اور گذشتہ اس کو قید کر کے میرے پاس بھیجدو۔ یہ خط بھیجا گیا اور چند روز کے بعد اس کا جواب بھی آیا۔ جسکا مضمون یہ تھا۔

میں صوبہ دار کے فرمان کے مطابق عمل نہیں کر سکتا

اس خط کو پڑھکر نواب سراج الدولہ اور بھی آگ بگولہ ہو گیا۔ اور بہت جلد فوجی تیاریاں ہونے لگیں۔ درمیان میں نواب نے کئی مرتبہ اپنے لائق اور جاں نثار سردار موہن لال کو یاد کیا لیکن معلوم ہوا کہ وہ تاپ رخصت سے واپس نہیں ہوا۔ گو یاروں نے اب بھی بہت برا بیاں کیں مگر نواب کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور یہ زیادہ کہنے کا موقع بھی ہاتھ نہ آیا۔
فوجی تیاریاں کچھ دنوں میں ختم ہو گئیں اور نواب معہ پچاس ہزار سوار و پیادوں کے کلکتہ کی طرف چلا۔

ناظرین! یہ وہی فوج ہے جس نے علی وردی خاں کے سامنے مرہٹہ لٹیروں کو دس مرتبہ شکست دی ہے اور اوں کی اوجڈ طبیعتوں کے دلوں کو خاک میں ملا دیا ہے لیکن۔ اب دیکھئے کہ یہی فوج کسی لائق افسر کے نہ ہونے سے کلکتہ میں جا کر کیا کرتی ہے۔

کلکتہ کی جنگ کے لئے مانکچند افسر مقرر کیا گیا ہے جسکی ماتحتی میں یہ فوج اُسی جوش کے ساتھ جا رہی ہے جس طرح علی وردی خاں کے ہمراہی میں جاتی تھی۔ سراج الدولہ کے بارے میں ہماری یہ رائے ہے کہ وہ معرکہ جنگ میں بالکل بودا نہیں تھا جیسا کہ

ناظرین دیکہیں گے۔
لیکن ہاں یہ بات اُس میں ضرور تہی کہ وہ اپنے دلی ارادے کو آخر تک نباہ نہ سکتا تہا۔ اُس کا لڑائی میں شریک ہونا یہ ادنی کام تہا مگر اوس کی خفیف الحرکاتی نے جو اثر عام دلوں پر پیدا کیا تہا اُس سے وہ میدان جنگ میں بہادری اور مستعدی دکہا کر بہی بیکار ظاہر ہوتا۔ دنیا میں یہ ضرور ہے کہ ہر شخص اپنے ماتحتوں کو دل سے ملائے رکہے ورنہ کسی بڑے وقت میں یا ضرورت کہ ہر شخص اپنے ماتحتوں کو دل سے ملائے رکہے ورنہ کسی بڑے وقت یا ضرورت میں کوئی اوسکی شرکت کو پسند نہیں کرتا۔ یہی حال سو قت نواب کا ہے جیسے آپ لوگ آگے چلکر خود سمجہ لیں گے۔

ساتواں باب

خون ہوجاتا ہے لاکہوں کا اشاروں سے ترے
کام کر جاتی ہے یہ جنبش مژگاں کیا

قاسم بازار کی لوٹ

نواب سراج الدولہ کی پرجوش فوج بڑے زور وشور کے ساتہ کلکتہ کے قریب آگئی قریب ہی ہنس ملکہ قریب کے ایک موضع میں داخل ہوگئی پہلے پہل جس چیز پر اُس کی نظر پڑی اور جسکے لوٹ لینے کا حکم دیا گیا وہ قاسم بازار ہے یہاں پر انگریزی گدام اور سوداگروں کے رہنے کی جگہ ہے جن کی دوکانوں پر ولایت کی عمدہ چیزیں بکتی ہیں۔ اور یہ سب کثیر نفع لیکر بڑے نامی تاجر اور مالدار ہوگئے ہیں۔

سراج الدولہ کے سپاہیوں نے ان کو خوب لوٹا۔ مکانوں میں آگ لگادی گئی۔ ان کے شعلوں نے قلعہ والوں کو بہی آگاہ کردیا کہ ظالم نواب آگیا۔ آخرش لوگوں نے شہر چہوڑ کر قلعہ میں پناہ لینی شروع کی۔

تہوڑے ہی دیر میں نواب کی تیار فوج نے اس مشہور بازار کا صفایا کردیا۔ اب اُسکے دیکہنے سے یہ معلوم ہوتا تہا کہ یہ کبہی آباد ہی نہ تہا۔ جلے ہوئے مکانات کے اسباب جابجا بکہرے پڑے تہے۔ اکثر مکانوں پر ڈہنک دہواں اٹہہ رہا تہا۔ عورتیں اپنے بچوں کو گود میں دبائے بدحواس بہاگی جاتی تہیں اور اپنے نقصان کا اس خوفناک حالت میں ذرا بہی خیال نہ کرتی تہیں۔

جب خوب لوٹ مار ہو چکی تو نواب کے حکم سے یہ فوج قلعہ کے سامنے والے میدان میں مقیم ہے۔ نواب بڑے ہی غرور کے ساتھ آیندہ فتح کی امید پر خوش ہے۔ اُس کے خیال میں قلعہ کا فتح کر لینا کوئی بات ہی نہیں وہ ایکمرتبہ قلعہ کو تہکی حقیر نواں سے دیکھکر خیمہ میں چلا گیا۔

اس وقت تک قلعہ میں اسقدر لوگ پہونچ چکے تہے کہ وہاں کا سامان رسد ایک ہفتہ کے لیئے بہی کافی نہ ہو سکتا تہا۔ واقعی اس حالت میں وہ لوگ نواب کی فوج کا مقابلہ کسی طرح نہیں کر سکتے تہے۔

اس لیئے اُن کے لیئے یہی بہتر تہا کہ وہ نواب سے صلح کے خواہاں ہوتے اور نواب کی عنایت اگر منظور کرتی تو وہ پہر اُسے عیش اور آرام سے رہتے جیسا کہ ساٹہہ برس سے رہتے آئے تہے۔ اور ایسا ہی ہوا بہی۔ نواب اپنے خیمہ میں چلا گیا اور وہاں وہی مصاحبین جمع ہوئے جو اس کی بُری صحبت کے مشیر رہتے۔ شراب کا دور چلنے لگا۔ مگر تہوڑے ہی دیر میں ایک چوبدار نے داخل ہوکر نواب سے قاصد کے آنے کی خبر دی جسے سنکر کچہ دیر کے لیئے سب کے سب مودب بیٹہ گئے۔ اُس کو آنے کی اجازت دی گئی۔ ایک ہندوستانی جو وضع سے معلوم ہوتا تہا کہ کوئی معزز افسر ہے سامنے حاضر ہوا۔ اور نہایت ہی ادب سے آداب کرکے ایک خط نواب کی خدمت میں پیش کیا جسے منشی نے کہڑے ہوکر پڑہنا شروع کیا۔

عالیجاہا۔ بعد ادائے تسلیم کے واضح ہو کہ حقیر میں اتنی قوت نہیں کہ حضور کے مقابل ہو سکے۔ لہذا دست بستہ عرض پرداز ہے کہ حضور اپنے عزم جنگ کو فسخ کر دیں۔ حقیر اس کے عوض میں کچہ جرمانہ خدمت عالی میں پیش کرے گا۔ رحم دل صوبہ دار کی عنایتوں سے یہ امید ہے کہ وہ ضرور اس عرض کو قبول فرمائیں گے۔

راقم

مسٹر ڈریک

خط کے سنتے ہی نواب اور بہی مغرور ہو گیا اور موچہوں پر تاؤ دینے لگا۔ غرور اور نخوت سے اُس نامہ بر کی طرف دیکہا اور کچہ سوچکر کہنے لگا۔

نواب۔ تو پہلے انکار سے ڈریک کا یہ ارادہ تہا کہ وہ مابدولت کو یہاں آنیکی

تکلیف دے۔

قاصد۔ خداوندِ نعمت مجھے تو یہ معلوم نہیں صرف یہ خط دیا گیا کہ حضور والا کی خدمت میں پہونچا دوں اور جواب اپنے مالک کی خدمت میں لے جاؤں جسے پڑھکر وہ بہی خوش ہوں اور حضور کی عنایات خسروانہ کا شکریہ ادا کریں۔

نواب۔ (زور سے قہقہہ لگاکر) یہ تو مجھکو مسخرا بناتا ہے۔ اب اگر میں پھر جاؤں تو سوائے حماقت کے اور کیا تصور ہو سکتا ہے۔ لوگ مجھے اپنے دل میں کیا سمجھیں گے مجھپر ناتجربہ کاری کا یہ الزام لگایا جائے گا کہ دشمن کے فریب میں آگیا اور دو جلدوں میں جس طرح گیا تھا بے سود واپس چلا آیا۔

قاصد۔ نہیں خداوند حضور ایسا باعقل حکمراں کبھی خواب میں بہی نہیں ہنسا جا سکتا بلکہ رحمدل بادشاہوں میں حضور کا بہی شمار کیا جائے گا۔ کہ ایک مجبور شخص کی منت پر پوری توجہ کی نظر ڈالکر اوسکو امان دیدی۔

نواب۔ میں تمہاری ان خوشامدانہ باتوں کو ذرا بہی سننا نہیں چاہتا۔ انجانب اب فوج کشی کر چکیے اور بلا اپنے ارادے میں کامیاب ہوئے مرشدآباد نہیں جا سکتے۔ اگر ڈریک کو ایسا ہی کرنا تہا تو پیشتر ہی سے انجانب کے حکم کے مطابق کرتا۔ میں نے کشنداس کے بھیجنے کو کہا نہ مانا۔ قلعہ کے انہدام کے لیے حکم دیا اُسکا بہی صاف جواب لکہا گیا۔ پہر جس طرح مجھکو صاف جواب دیا گیا اوسی طرح میں بہی صفائی سے کام لینا چاہتا ہوں۔ تم ڈریک سے کہدینا کہ اب وہ ارادہ مصمم ہوگیا ہے جو میرے دل میں جواب خط سے پیدا ہوا تہا۔ جس کے لیے میں نے مرشدآباد سے یہاں آنے کی تکلیف گوارا کی۔ اب میں اپنے ارادے پر قائم ہوں اور اُس میں کوئی تغیر بغیر جنگ کے نہیں ہو سکتا۔

قاصد۔ تو میں اعلیٰ حضرت صوبہ دارِ اعظم کی خدمت سے مایوس ہی جاؤں۔

نواب۔ ہاں ضرور! کیونکہ انصاف تم کو کچھ کہنے کا مجاز نہیں۔ جیسا کہ ہمارے ساتھ ڈریک نے برتاؤ کیا ہم کو بہی ضرور ہے کہ ویسا ہی برتاؤ کریں اور اوسکی خوشامد نہ سنیں۔

قاصد۔ لیکن جب وہ امیدوارِ معافی ہو تو . . .

سراج الدولہ نے اس کی باتیں سنکر ایک افسر کی طرف دیکھا اور خاموش ہو رہا۔ اس نے فوراً اس قاصد کا ہاتھ پکڑکر دربار سے اٹھا دیا اور وہ بیچارہ بہت ذلت کے ساتھ باہر نکال دیا گیا جسکے بعد وہ قلعہ کی طرف چلا گیا۔
اس کے جانے کے بعد ہنوز ان لوگوں میں کچھ گفتگو نہ ہوئی تھی کہ دوسرا قاصد حاضر ہوا اور پھر ایک عرضی مسٹر ڈرنک کے جانب سے حضور میں پیش کی۔

اعلیٰ حضرت صوبہ دار بنگال۔

میں پھر نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں اور مجھے قوی امید ہے کہ حضور معلّی ایک عاجز کی درخواست کو قبول فرما دیں گے۔ حضور رحم فرماکر ہم بانکستوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔ میں اپنی خطا کا مقر ہوں۔ اور امیدوار معافی ہوں۔ اس وقت آپ اپنے غصّہ کو رحم پر ترجیح دیں۔

راقم۔ مسٹر ڈرنک

نواب۔ (پر جوش الفاظ میں) میں اب ان مہمل باتوں کو سننا نہیں چاہتا۔ بس اس سے کہدو کہ وہ جنگ کے لئے مستعد ہو جائے۔ کل اینجانب کی فوج قلعہ میں داخل ہوگی میں ہرگز نہیں ماننے کا۔ اور اب ایسے لغو خطوط دیکھنا نہیں چاہتا۔
قاصد پھر واپس گیا۔ اس طرح کئی خط پے درپے آئے مگر اس نے کسی کو قبول نہ کیا۔ اور جنگ پر مستعد ہو گیا۔ آخرکار ڈرنک نے بھی مجبور ہوکر لڑائی کا سامان شروع کر دیا۔

ایک مصاحب۔ دیکھا حضور اب کوئی ترکیب نہیں چلتی۔ بھلا حضور کی فوج ظفر موج کے سامنے کسی کی مجال ہے کہ سر اوٹھا سکے۔

دوسرا۔ جی ہاں وہ بھکی بھبکیاں زبانی تھیں موقع پر کچھ بن نہیں پڑتا۔ واقعی جو کچھ حضور نے سوچا ہے وہی ہوگا۔ اور جنگ فتح ہو جائیگی۔ بس سارا حال معلوم ہو گیا۔

تیسرا۔ بھلا حضور جو غور کریں اس کے خلاف ہو سکتا ہے؟ معاذ اللہ کلھ ہی تو قلعی کھولیگی۔

پہلا۔ انشاء اللہ ہمارا بال بھی میلا نہ ہوگا اور قلعہ بھی فتح ہو جائے گا۔ واقعی اوسکی حقیقت ہی کیا ہے۔

دوسرا پھر اور ہو نا کیا ہے ذرا ابھی سے زبانی کا مزہ بھی تو چکھیں۔

نصیر اسی لئے تو حضور نے بذاتِ خود آنا گوارا فرمایا۔ دیکھنا ضرور ہماری فتح ہو گی حضور کے اقبال سے بہت جلد فیصلہ ہو جائے گا۔

نواب کے مصاحبین اس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔ جو محض اسکے ایسے خوشامد پسند آدمی کو خوش کر سکتی ہے۔ طرہ یہ ہے کہ ہر شخص جام پر جام پی رہا ہے۔ نشہ میں چور ہے۔ اور اسی بڑ میں جو کچھ دل میں آتا ہے نواب کی شان میں کہہ جاتا ہے۔ جسکو سنکر نواب ایسا بے سمجھ اور بھی آسمان پر چڑھ گیا ہے۔ اسی اثناء میں خدا جانے کیا خیال آیا کہ اس نے نصیر سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

نواب۔ ہمارا بہادر اور لائق افسر موہن اب تک نہیں آیا۔

نصیر۔ جی ہاں خداوند اسکی تو عرصے سے کسی نے صورت ہی نہیں دیکھی۔

نواب۔ نہیں معلوم کہاں چلا گیا ہے۔ کوئی تو کہتا تھا کہ وہ بھی کلکتہ آیا ہے۔ اگر یہاں ہوتا تو ضرور حاضر ہوتا۔ اس وقت میں ایسے شخص کا ہونا بہت ضرور تھا اور کیا عجب کہ وہ آتا ہو۔

نصیر۔ خداوند برے وقت میں کوئی ساتھ نہیں دیتا مرنے کٹنے کی حالت میں ہر شخص کا دل نہیں کہ ثابت قدم رہے۔ اب تو وہ بھی لڑائی کا نام سنکر نہ آئیں گے۔

نواب۔ نصیر کیا تم موہن لال کو اس پردہ میں بزدل بناتے ہو۔

نصیر۔ نہیں خداوند میری مجال نہیں یہ تو ایک عام بات ہے۔

نواب۔ ہاں اگر تمہارے دل میں یہ خیال ہو تو اسے فوراً نکال ڈالو موہن میرا خیر خواہ اور بہادر افسر ہے وہ معرکہ جنگ سے ہٹنے والا نہیں۔ اس کے نہ آنے سے مجھے خود کھٹکا ہو رہا ہے کہ اسپر راہ میں کچھ سانحہ تو نہیں گذرا۔ کہیں بیمار تو نہیں ہو گیا۔

نصیر۔ بجا فرمایا حضور نے بس یہی ہو گا ورنہ ضرور آتا۔

نواب۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چٹھیاں بھی اسے نہیں ملی ورنہ وہ کشتہ اس کو لیکر ضرور حاضر ہوتا اسکے نہ ملنے ہی کی وجہ سے وہ اب تک واپس نہیں ہوا۔ اور نہ اسکو کوئی ایسا رازداں شخص ملا جسکے ذریعہ سے وہ ہمیں اطلاع دیتا۔

نصیر۔ (کسیقدر کراہت سے) بجا درست فرمایا۔

چونکہ اب شب کے دو حصے ڈھل چکے تھے دربار برخواست کیا گیا۔ ہر شخص اپنے خیمہ میں جا کر سو رہا۔

آٹھواں باب

میں بھی ہوں فیر بھی ہیں تیغ بکف قاتل بھی
کون کون آج ہے فدا شوق سے سر دیکھیں تو
فتح کے مشورے

رات کی تاریکی پھیلی پڑنے لگی چمکتے ہوئے تارے جو اس بڑی فوج کو غور اور حیرت سے دیکھ رہے تھے شب کی سیاہی نے جو تمام رات عالم پر اپنا قبضہ کئے تھی اب اپنا دامن سطح زمین سے سمیٹنا شروع کیا۔ ملحدوں سے نعرۂ اللہ اکبر کی آوازیں آ رہی ہیں جیسے سنکر کل سپاہیوں نے خیال کیا کہ بس یہ آخری اذان ہے اس کے بعد ہم کو یہ پیاری صدا سننا نصیب نہ ہوگی۔ خدا جانے معرکۂ جنگ سے زندہ پلٹیں یا نہیں۔ یہ خیال کر کے ان سپاہیوں نے جلد نماز کو ختم کیا اور اپنے معبود سے فتح جنگ کی دعائیں مانگنی شروع کیں۔ کوئی دعائیں پڑھنے لگا۔ کوئی خضوع اور خشوع سے خالق بے نیاز کی درگاہ میں الحاح و زاری پر آمادہ ہوا۔

سراج الدولہ بھی آج بہت تڑکے اٹھا ہے اور نماز میں مشغول ہے۔ غرض یہ بھی فارغ ہو کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا باہر آیا۔ اور اپنی فوج کو جو حکم کی منتظر صف بستہ کھڑی تھی غور سے دیکھا مگر اس کی اس آہستہ روی اور چہرہ کی اداسی کا کوئی سبب ضرور ہے جو کسی بربادی کی خبر دیتا ہے۔ شکن خون علیٰ اور غصہ سے قلعہ فورٹ ولیم کے فصیل پر عجیب طرح کی اداسی چھائی ہے بالکل ویران معلوم ہوتا ہے۔

فوج کو تیار دیکھکر نواب سراج الدولہ ہاتھی پر سوار ہوا۔ لیکن دیکھئے اس وقت اس کے کسی مصاحب کا پتہ نہیں ہے جو اس کے ہر وقت کے مشیر اور جان نثار کہلاتے تھے۔ البتہ صرف ایک نفیر اس کے پیچھے بیٹھا ہے اور بعضا اپنی جانیں بچا کر روپوش ہو رہے ہیں یہ وہی لوگ تو ہیں جو موہن لال جیسے بہادر افسر کو بودا بتایا کرتے تھے ان کی ساری قلعی کھلجاتی اگر نواب خدا بھی اس وقت اس معاملہ پر غور کرتا۔

نواب کے روانہ ہوتے ہی فوجی باجے بجنے لگے۔ اور لشکر نہایت جوش کیساتھ قلعہ فورٹ

ولیم کی فتح کے لئے چیت پور پہونچ گیا۔ مانکچند گھوڑے پر سوار اپنے لشکر کے پُر جوش دونوں کو غور سے دیکھ رہا ہے اِس وقت ہم کو موقع ملگیا ہے کہ نواب کے اُن بزدل مصاحبین کے علاوہ فوجی افسروں کی بھی حالت دیکھیں کہ اُن کے سینہ میں کیسا وفادار اور بہادر دل ہے۔

چیت پور میں فوج کے پہونچتے ہی سامنے سے گولہ باری شروع ہو گئی۔ اور توپوں کی گرج نے فوج میں تہلکہ ڈالدیا۔ انگریزی فوج اِس خوبی سے نشانہ مار رہی تھی کہ مشکل سے نواب کی فوج کے قدم اُٹھتے تھے۔ گو اِن لوگوں نے بھی اودھر سے جواب دیا۔ مگر اُس سے دشمن پر کچھ خراب اثر نہیں پڑا مانکچند نے ہرچند اپنی فوج کا دل بڑھایا اور خود بھی داد مردانگی دی۔ مگر ادھر سے اِس غضب کی بوچھار ہوئی کہ وہ عاجز آگیا۔ نواب بھی خوب غور سے اُن کی اِس حالت کو دیکھتا رہا۔ اور اپنی فوج کی بدحواسی اور ابتری دیکھکر بہت گھبرایا کیونکہ فوج ذرا بھی بڑھنے کا قصد کرتی ہے تو توپوں کے گولے اُنکو پسپا کرکے پیچھے ہٹا دیتے ہیں جس سے سپاہیوں کا کچھ بس نہیں چلتا۔

دیر تک لڑائی ہوتی رہی مگر نواب کے لئے کوئی مفید پہلو نہ نکلا۔ آخرش مانکچند گھبرا کر اُسکے پاس آیا اور یوں کہنے لگا۔

مانکچند۔ خداوند نعمت۔ اِس وقت کی یہ معرکہ آرائی ہمیں از حد نقصان پہونچا رہی ہے اِس لئے کہ ہماری فوج دشمن کی زد کے سامنے ہے جس سے اُنکا نشانہ خالی نہیں جاتا۔ بہتر ہوگا کہ ہم اِس وقت جنگ کو ملتوی کر کے کسی دوسرے مقام سے حملہ کریں اور اِس کی رائے قائم کریں۔

نواب۔ کیا اِس موقع کے لئے یہی مناسب ہے؟ اور تم ابھی کوئی ترکیب نہیں سوچ سکتے۔

مانکچند۔ بندگان عالی ہی کچھ فرماویں۔ میں تو اِس وقت واپس ہی ہونا بہتر سمجھتا ہوں۔

نواب۔ اچھا اگر ایسا ہے تو اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیدو۔

فوج جو اسے تو اِس وقت مجبور سمجھ رہی تھی کچھ خوش کچھ افسوس کے ساتھ واپس ہوئی کیونکہ جس خیال میں وہ پہلے جوش کے ساتھ بڑھی تھی اُسکا ذرا بھی ظہور نہ ہوا۔ اور ناکام

ہی لوٹنا پڑا۔ اسیوقت سراج الدولہ نے خیمہ میں جاکر مانکچند کو طلب کیا اور رائے زنی ہونے لگی۔ اس وقت دیر تک دربار میں مباحثہ ہوتا رہا مگر کوئی رائے قرار نہ پائی سوائے اسکے کہ کل پھر حملہ کیا جائے اور جسطور سے ممکن ہو قلعہ کی فصیل پر قبضہ ہو جائے۔ اس رائے کے قائم ہونے پر دربار برخواست ہوا۔ اور ہر شخص بستر راحت پر گیا۔ لیکن نواب کو ابھی کب نیند آتی تھی کیونکہ یہ تو اوسکا شغل ہی نہ تھا جس میں وہ مصروف تھا۔

فوجی مباحثہ کے بعد نواب نے پھر اپنے اُن دوستوں کو بلایا جو معرکہ جنگ میں نہ تھے وہی صحبت گرم ہوئی اور آپس میں باتیں ہونے لگیں مگر اسوقت ہر شخص کی نگاہیں نیچی تھیں اس لئے کہ نواب پر اس ناکامی کا رنج ظاہر کریں۔ اور اوسکو یہ موقع نہ دیں کہ وہ اُن سے پوچھے کہ تم لوگ لڑائی کے وقت کہاں تھے۔

ایاسجار۔ (خصوصیت جتانے کی غرض سے) خداوند میں لڑائی کے وقت بہت دور نکل گیا کہ قلعہ کا کوئی دروازہ ڈھونڈھوں مگر کہیں پتہ نہ ملا۔

نواب۔ کچھ پرواہ نہیں۔ اگر آج ہم کو ناکامی ہوئی تو کل انشاءاللہ ضرور ہی ہم کو کامیابی ہوگی اور ہم ڈریک کو اُسکی بدزبانی کی پوری سزا دیں گے جاتا کہاں ہے۔

نصیر۔ خداوند نعمت ہماری فوج بہت لڑی جیساکہ چاہیئے تھا داد مردانگی بھی دی مگر قلعہ سے متواتر آنے والے گولوں سے مجبور ہوگئی۔ ورنہ قلعہ کا فتح کرنا کونسی بات ہے وہ تو گویا ہمارے ہاتھ میں ہے۔

نواب۔ گھبرانا نہ چاہیئے۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر آج ہمارا قبضہ نہیں ہوا تو کل ضرور ہوگا میں خود دیکھ رہا تھا کہ میرے سپاہی بڑے جوش کے ساتھ بڑھ رہے تھے۔ مگر وہ سب بھی کمبخت بڑے نشانہ باز ہیں کہ جب گولہ آیا خالی نہ گیا۔ کوئی بچتا ہی نہ تھا۔ جسکو تاکا بس مار لیا۔

نصیر۔ ہاں حضور۔ اور اُن کو موقع تھا وہ قلعہ کے اندر تھے۔ ہماری فوج بالکل بے پناہ زد کے سامنے تھی۔

نواب۔ کل اس زور سے گولہ باری کیجائے کہ اونکو جواب دینے کی مہلت نہ ملے۔ جب سے وہ اپنی حفاظت میں مشغول ہونگے ہم اُتنی دیر میں قلعہ کی فصیل تک پہونچ جائیں گے اُس وقت اوسپر قبضہ کر لینا کوئی مشکل امر نہ ہوگا۔ کیوں نصیر

یہ کیسی رائے ہے۔

نصیر۔ (خوشامدانہ لہجہ میں) سبحان اللہ۔ کیا بات فرمائی ہے۔ بس اب مجھے یقین ہو گیا کہ کل ضرور قلعہ فتح ہو جائے گا۔

نواب۔ (خوش ہو کر) بس یہی ترکیب ٹھیک ہے۔ جاؤ ناگیندسے کہدو کہ کل یہی کرے تھوڑی دیر کے بعد یہ صحبت برخاست ہوئی اور نواب اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ جس کے جانے پران مصاحبوں نے آپس میں یوں گفتگو شروع کی۔

ایک۔ کیوں دوست۔ اپنی جان بھی بچائی اور موقع کی صحبت میں شریک بھی رہے۔

دوسرا۔ پھر اس میں کونسی بڑی بات ہے۔ ارے بھائی یہ تو معلوم ہے کہ ہمارے نواب صاحب بے دال کے بودم ہیں۔ پھر ہمیں کیا پرواہ ہے۔ ہم لوگوں نے کیا خیال تھوڑے ہی کیا ہے کہ اس میں سے وہ نکل جائے۔ اس کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں ہے کہ ہم لڑائی میں شریک ہوں خدا جانے کیا ہو اور کیا نہ ہو۔ کون اپنے کو بلا میں ڈالے۔

تیسرا۔ بیشک ہم لوگ تو مصاحبین ہیں ہم کو لڑائی سے کیا کام جب صحبت گرم ہو ہم شریک رہیں اور مزے مزے کی باتیں کر کے اپنا معتقد بنائے رکھیں۔ نیا لالات کو پہنچنے نہ دیں جسے وہ ہمارا دم بھرتا رہے۔

نصیر۔ آپ لوگوں میں ابھی تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے۔ ارے بھائی جو ہر روز الگ رہے تو وہ خیال نہ کرے گا کہ یہ لوگ بڑے نامرد ہیں اور خوف جان سے نہیں آتے۔ اسی لئے آج میں اُس کے ساتھ تھا۔ اب کل میں نہ جاؤں گا کسی دوسرے کو جانا چاہئے۔

راوی۔ سبحان اللہ! اپنی جان بچانے کے لئے ہمارے حضرت اپنے رفیقوں سے بھی چال چل گئے۔

پہلا۔ بھئی بات تو تم نے درست کہی لیکن یار خوف یہی تو آتا ہے کہ گولے بارود کی مار ہے ایک جیسے پھر کی تو گولی لگی۔ اور یہاں خاتمہ ہو گیا قسم ہے۔ قرآن کی اگر تلوار کی لڑائی ہوتی تو دکھلا دیتا کہ کیسا تلا ہوا ہاتھ پڑتا ہے۔ اور اس سے تو میں ڈرتا ہوں۔

دوسرا۔ وہ کچھ ہی کیوں نہو۔ بھائی نصیر نے بہت درست کہا ہے ہمکو ضرور اعتبار جمانے رہنا چاہئے۔ اچھا کل میں نواب کے ساتھ رہوں گا۔

تیسرا۔ خیر کل آپ جائے پرسوں دیکھا جائیگا۔ اگر کوئی نہ جائے گا تو میں چلا جاؤں گا۔

نصیر اپنے فقرہ میں کامیاب ہوکر خوش ہوا۔ اور سب کو ساتھ لیکر کمرہ میں آیا جہاں کچھ دیر ایسی صحبت رہی اُسکے بعد سب کے سب سو گئے۔

نواں باب ۹

بسچ ہے بُری گھڑی میں کسی کا کوئی نہیں

"مدراس کی روانگی"

سپیدہ سحری نمودار ہوا تھا کہ پھر فوجی باجوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ سپاہیوں کی آنکھوں کے نیچے پھر وہی سامان پھر گیا اور ایک نئے قسم کا جوش پیدا ہوگیا۔ کل سپاہیوں نے حتمی قصد کر لیا کہ آج جس طور سے ممکن ہوگا قلعہ لیں گے مانکجند کے آتے ہی کل فوجیں ماتحت افسروں نے درست کر دیں اور یہ فوجی جھنڈا قلعہ کے فصیل کی طرف گولہ باری کرتا ہوا بڑھا۔

اب اودھر سے بھی گولہ باری شروع ہوئی اور ہر طرف سنسناتی ہوئی گولی میدان جنگ میں چلنے لگی۔ جن سے زخمی سپاہی زمین پر مرغ بسمل کی طرح پڑے لوٹا کرتے تھے بڑے زور و شور سے لڑائی ہو رہی تھی فوج نے ذرا بھی ہمت ہاری اور جنگ میں کچھ کاہلی ظاہر کی اور وہیں مانکجند گھوڑا دوڑا کر پہونچا اور پھر جوش دلانے والے الفاظ کہکر انکو جنگ پر مستعد کر دیا۔ پھر مرتبہ کا حملہ ظاہر کر دیتا تھا کہ اب سپاہی قلعہ کے اندر پہونچ جائینگے مگر اودھر کی گولہ باری پھر پسپا کر دیتی تھی۔

قلعہ سے ۵۰ گز کے فاصلہ پر ان بڑے بڑے انگریزی تجار کے مکانات تھے جو اُس وقت خوف سے قلعہ میں بھاگ گئے تھے۔ اور اگر دو ایک باقی بھی تھے تو وہ لڑائی کی حالت دیکھکر خدا جانے کس طرف سے اُس میں داخل ہوگئے نواب کی فوج نے باوجود اس گولہ باری کے بھی ایک خوفناک حملہ کرکے ان مکانات پر قبضہ کرلیا اور اب نہایت آرام کے ساتھ انہیں مکانوں کی چھتوں پر توپیں لگا کر وار کرنے لگے جس سے قلعہ والے بچھ

پریشان ہوئے اور اونکو یقین ہو گیا کہ اب لڑائی اولجھہ گئی۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے
اس کے بعد پھر اُن سپاہیوں نے ایک آخری حملہ جان توڑ کر کیا اور چونکہ قلعہ بالکل قریب
رہگیا تھا بلکہ سامنے تھا اس سے انکو یقین ہو گیا کہ اس مرتبہ قلعہ کی فصیل تک پہونچ
جائیں گے۔ یا اپنی پیاری جانوں کو اجل کے سپرد کر دیں گے۔ مگر یہاں نتیجہ اولٹا
ہوا۔ ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہ ہونے پائی۔ انگریزی گولہ اندازوں
نے کچھ اس طرح غضب کی بوچھار کی جس سے نہ تو قلعہ ہی فتح ہوا اور نہ میدان
میں قدم جم سکا۔ نواب کی فوج مجبور ہو کر پلٹ آئی مگر آج چونکہ اس فوج نے
بہادری دکھا دی ہے اور لڑائی کا موقع ہاتھ آگیا ہے بلکہ انگریزوں کے
دل پر بھی خوف طاری ہو گیا ہے۔ اس لئے سپاہیوں کے چہرے خوشی
سے سرخ ہو رہے ہیں۔ کلکتہ کی طرح بے دلی اور حسرت کے آثار نہیں
پائے جاتے۔

انگریزی تاجروں کے مکانات جو آج ہاتھ آگئے تھے شب ہوتے ہی فوج نے اُس
میں آگ لگا دی اور اپنی سنگدلی کا نمونہ دکھا دیا۔ آج اونکو پورا یقین ہو گیا تھا کہ کل صبح
ہم اُن مکانوں پر چڑھ کر ایسی گولہ باری کرینگے جس سے فصیل قلعہ بالکل منہدم ہو جائیگی
اور دشمن مجبور ہو کر پھاٹک کھول دینگے۔

چونکہ رات کا وقت تھا اس لئے اُن مکانوں سے آگ کے شعلے بلند ہو کر نہایت خوفناک
منظر پیدا کر رہے تھے۔ سبب تھا کہ فصیل قلعہ پر ایک آدمی بھی اُس وقت تک نظر نہ
آتا تھا کیونکہ تمام قلعہ میں کھلبلی پڑی ہوئی تھی۔ ہر شخص سمجھتا تھا اب جان بچنی مشکل ہے
اس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ایک تو اب اون کا جنگی سامان دو ہی روز کی لڑائی میں ختم ہو گیا
تھا دوسرے آج کی جنگ میں اُنکے کچھ سپاہی بھی کام آگئے تھے۔ اب اُن میں یہ قدرت
نہ تھی کہ وہ تیسرے دن کے لئے مستعد ہوں۔ اس لئے اونکے لئے یہ ضروری امر تھا کہ وہ
اپنی حفاظت کے لئے کوئی مشورہ کی انجمن قایم کر کے رائے زنی کریں اور صبح ہونے سے قبل تک
یا تو جان بچا کر کہیں بھاگ جائیں یا لڑائی پر مستعد ہوئیں۔

مسٹر ڈریک میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ لوگ اس حملہ کو اب کیونکر
روک سکتے ہیں۔

ایک فوجی افسر۔ ہم کہا اور آج کی جنگ سے یہ پہچان چکے کہ نواب کو ضد ہو گئی
ہے اور وہ ضرور قلعہ کو فتح کرے گا۔ اُس کے سپاہیوں کے بشرہ سے بجائے
خوف کے جوش اور غصہ ٹپک رہا تھا۔ اُنکو صرف اس قدر پریشانی تھی کہ ہمارے
گولے اُن کی جمعیت کو قلعہ کے فصیل تک آنے نہ دیتے تھے۔ مگر پھر بھی اُن کے
دلوں میں بھاگنے کا ارادہ نہ تھا۔ اور آج تو اُنہوں نے ہمارے قلعہ کے نزدیک
رہنے والے تجاروں کے مکانوں پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ اب اُن کا دوسرے
روز قلعہ پر فتح پا لینا کیا مشکل ہے۔ وہ انہیں مکانوں پر چڑھ کر گولہ باری کریں گے اور
اُنہوں نے فصیل قلعہ پر ضرور بڑا اثر ہوگا۔ نہ تو ہمارے پاس اتنا سامان ہے اور نہ
فوج ہی ہے کہ اُن کا مقابلہ کر سکیں۔ پھر ایسے موقع پر جنگ کرنا ہم سے بالکل ناخوش
ہے اور ہماری تجارت کو جو خاص ہمارے رہنے کا ذریعہ ہے بند کر دینے
پر مستعد ہو چکا ہے کیا کرنا چاہیے۔ اب صدر انجمن صاحب کی جو رائے ہو میں
کہہ سکتا۔ نواب کی یہ آرام طلبی کا باعث اور ناتجربہ کاری کی وجہ تھی کہ ہم لوگ
دو روز بھی ٹھہر سکے۔ ورنہ ایک گھڑی کا مقابلہ مشکل ہوتا۔ ان کا استقلال اور جو اس
دو روز کی لڑائی سے ثابت ہو رہا ہے اور اُن کی زبردست فوجی طاقت ہماری
مستقل مزاجی کو ذرہ بھر بھی مٹا دے گی ہم اُن کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جائیں گے
پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ نواب جسکے ظلم کی تمام صوبہ میں شہرت ہے ہمارے
ساتھ کس طرح پیش آئے گا۔

ڈریک۔ واہ میں دل تعریف سے سمجھ میں پڑ کر تو ہم کو جنگ نہ کرنا چاہیے
کیونکہ اس وقت کی تقریر سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہم مجبور ہیں اور جیسا کہ فی الواقع
ہے بھی۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی مدد نہیں آ سکتی۔ اور بفرض محال اگر مدراس سے
ہم فوج منگائیں بھی تو اُس کے یہاں پہنچنے تک ہم فاقوں سے مر جائیں گے اگر نواب
کی فوج غلبہ ہی سے شکست کھا جائے تو کیا ہو سکتا ہے۔ پرسوں پھر وہی موت کا
سامنا ہوگا۔ اس سے تو خاموشی ہی بہتر ہے اور مدراس چلے جانا چاہیے۔

وہی افسر۔ آپکی رائے بہت اچھی ہے ہماری مدد آنے تک بھی ہمارے پاس زندہ
رہنے کا سامان نہیں ہے۔

ڈریک۔ اور لوگوں سے مخاطب ہوکر آپ لوگوں کی کیا رائے ہے۔

حاضرین۔ ہم لوگ اپنے جنرل اور گورنر کی رائے کی مطابقت کرتے ہیں۔ ہم خوشی سے آپ لوگوں کی رائے پر چلیں گے۔ کیونکہ آپ دونوں صاحبوں سے بہتر رائے اپنے لئے نہیں سوچ سکتے۔

ڈریک۔ تو اب یہ امر طے پایا کہ جنگ نہ ہونی چاہیے۔ کیونکہ ہم لوگوں میں اتنی قدرت نہیں۔ کیوں ہے نا ٹھیک۔

وہی افسر۔ پھر ہم اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔ اگر زبردستی اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہو تو یہ بات ہے مگر کبھی عقلمندی تو اس کو گوارا نہ کرے گی کہ شیر کے منہ میں جاکر پھر امید بھلائی کی رکھیں۔

ڈریک۔ تو یہ بات خوب اچھی طرح سے طے پا چکی تاکہ ہم اب لڑائی نہ کریں اور سیدھے مدراس چلے جائیں۔

افسر۔ ہاں سوائے اسکے اور کوئی جگہ ہمارے لئے حفاظت کی نہیں۔

غرض یہ امر طے پا گیا کہ صبح کے وقت یہ لوگ مدراس کی طرف کوچ کریں مگر احتیاطیاں کیں کہ کہیں رات ہی کو نواب حملہ پر مستعد نہ ہو جائے ورنہ بھاگنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ یہ سب اسی وقت سے اسباب باندھنے لگے۔ اور جوں جوں رات گذرتی جاتی تھی یہ اپنی جان بچانے اور بھاگنے کے لئے مستعد ہوتے جاتے تھے کیونکہ سوائے اسکے اور کوئی صورت انکے بچنے کی نہ تھی۔

یہ رات گویا آنکھوں میں کٹ گئی۔ ابھی کچھ تاریکی باقی تھی کہ قلعہ کے لوگوں نے اپنا سامان درست کر لیا ٹھیک اسیوقت جبکہ سراج الدولہ کی لشکر سے اذان کی آواز آ رہی تھی انگریزی محصور سپاہیوں نے قلعہ سے نکلنے کا قصد کیا۔

اسوقت ان لوگوں پر عجیب خوف کا عالم تھا۔ دریا میں رائل جارج نامی جہاز تھا اور کنارے سے لیکر وہاں تک برابر کشتیاں تھیں۔ قلعہ والوں کی یہ حالت تھی کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا اور اس طرح کی گھبراہٹ تھی کہ گویا سراج الدولہ کی فوج انکی گرفتاری اور جنگ کے لئے پیچھے چلی آتی ہے۔

اُس فوجی افسر اور مسٹر ڈریک کا ان لوگوں میں پہلا نمبر تھا ان دونوں نے تو پیچھے پھر کر یہ

بھی نہ دیکھا کہ آخر کیا ہوتا ہے۔ عورتوں کے سوار ہوتے ہی یہ سب بھی اطمینان سے جا بیٹھے۔ ملاحوں نے زور کر کے کشتیوں کو کنارے سے جُدا کیا اور کھیتے ہوئے جہاز کی طرف چلے مگر وہ سب بھی خوف سے کچھ ایسا گھبرا گئے تھے کہ اکثر کشتیوں کے ڈوبنے کا خوف ہو گیا تھا۔ جو لوگ سوار تھے اُن کی زندگی بیٹھے بیٹھے روانی میں دقت ہو گئی تھی۔ دوسرے بدانتظامی کا خوف ہو گیا تھا کیونکہ ہر شخص اس موقع پر خود افسر بننے کی خواہش کرتا تھا کہ ہم حکومت جتا کر پہلے خود ہی جہاز پر پہونچ جائیں۔ کوئی کسی کو اپنا سردار نہ جانتا تھا۔ اس سے اور بھی پریشانی پھیل گئی۔ مسٹر ڈریک نے تو جہاز پر پہونچکر اپنے کو محفوظ سمجھ لیا تھا۔ اور یہ اُس نے نہ دیکھا کہ دوسروں پر کیا گذر رہی ہے سب لوگ آگئے یا نہیں۔ اب جتنے لوگ کہ کنارے پر آئے تھے اُس میں سے بعض تو جہاز اور بعض کشتیوں پر سوار ہو کر چل نکلے اور جہاز وہاں سے دو میل آگے جا کر لنگر انداز ہوا۔ مگر آدھے سے زیادہ فوجی لوگ قلعہ میں رہ گئے تھے اُنکو ازحد ناامیدی ہو گئی جبکہ لوگ اُنکو اس پریشان حالت میں چھوڑ کر چلے گئے۔

قلعہ والوں نے مجبور ہو کر مسٹر ہالول کو اپنا افسر مقرر کیا اور اس بات کا عہد کیا کہ مسٹر موصوف کی رائے پر کاربند ہونگے۔ جسکو انہوں نے بھی خوشی سے قبول کیا اور سراج الدولہ کی حرکتوں کو بڑے ہی انتشار سے دیکھنے لگے کیونکہ ہر روز اُن کی امیدیں کم ہوتی جاتی تھیں۔

یہ تو ہم لکھ چکے ہیں کہ دو روز سے سراج الدولہ کی فوج نے کوئی کارنمایاں نہیں کیا بلکہ بزدلی سے اُن بیچاروں کے مکانوں پر قبضہ کر لیا جو قلعہ میں بھاگ گئے تھے تیسرے دن فوج نے پھر حملہ کیا مگر اس میں بھی اُنکو ناکامیابی حاصل ہوئی اور اسی طرح بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ البتہ گردو پیش کے مکانات قبضہ میں آگئے۔

آج سراج الدولہ بہت غصہ میں اپنے کیمپ کو واپس گیا اور اس میں تین روز کی لڑائی سے کوئی فائدہ نہ دیکھکر گھبرا گیا اس نے اپنے کیمپ میں پہونچکر افسران فوج کو جمع کر کے اُن سے غصہ سے یوں پوچھنا شروع کیا۔

نواب۔ تو کیا یہ قلعہ فتح نہ ہوگا۔

مانکچند۔ دمجوب ہوکر حضور ضرور ہوگا۔

نواب۔ حضور حضور نہیں۔ تم اسکا جواب دو۔ ایک قلعہ اتباک فتح نہوا حالانکہ یہ خوب معلوم ہے کہ وہاں سامان رسد اور فوج دونوں کم ہیں۔

مانکچند۔ خداوندنعمت واقعی حقیر حضور سے شرمندہ ہے۔

نواب۔ میں تمہاری شرمندگی کے بارے میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتا۔ یہ بتاؤ کہ کل تم کیا کروگے۔

مانکچند۔ بس یہی کہ کل اپنے مالک پر نثار ہو جاؤں۔

نواب۔ تو کیا میں تمہاری جان کا خواہاں ہوں۔

مانکچند۔ نہیں خداوند۔ بلکہ میں حضور کا ممنون ہوا کہ آپنے مجھے جوش دلایا اور میں حق نمک ادا کروں گا۔

نواب۔ یہ میں دادا مرحوم سے سُن چکا ہوں کہ غصہ میں بلا سمجھے بوجھے لڑنا بڑی بیوقوفی ہے اور اوسکو کبھی فتح نہیں ہوتی۔ لڑائی کے وقت نہایت اطمینان سے کام لینا چاہئے۔

مانکچند۔ اگر ایشور نے چاہا تو ایسا ہی کروں گا۔

نواب۔ ہاں اطمینان اور ترکیب سے تم کو لڑائی پر غور کرنے کا ابھی بہت موقع ہے۔

یہ سنکر مانکچند اپنے خیمہ میں چلا گیا۔ نواب کی ان باتوں نے اُسے بہت شرمندہ کیا تھا اور وہ یہ سوچنے لگا کہ جسطرح سے ممکن ہو کل قلعہ فتح کرنا چاہئے ورنہ شرمندگی کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ اگر کل لڑائی فتح نہ ہوئی تو نواب کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت ناراض ہونگے۔ خدا معلوم ابھی کیا حکم دیدیں۔ اس لئے مجبوری کی موت سے تو یہی بہتر ہے کہ لڑکر جان دیدوں۔ اور بہادروں میں نام کر جاؤں کیونکہ فتح کرنا تو میرے اختیار میں نہیں ہے جو مالک کو منظور ہے وہ ہوگا۔

اس کے بعد مانکچند اپنے بستر پر جاکر لیٹ رہا اور کچھ دیر تک اپنی سوچی ہوئی ترکیب پر غور کرتا رہا چونکہ رات زیادہ آگئی تھی اور دوسرے یہ دن بھر کا تھکا بھی تھا۔ بہت جلد نیند کا مزا لینے لگا۔ ابھی سپاہیوں نے نیند بھر کر آرام بھی نہ کیا کہ تیاری کے بگل نے اونہیں چونکا دیا اور دنیا کی طرف رخصتی کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ

آج ان سب کے دلوں میں بھی یہ جوش بھرا ہوا تھا کہ جس طرح ممکن ہو قلعہ فتح کریں کئی روز ناکام رہ چکے ہیں۔
اس وقت سپاہیوں کی مستعدی اور ان کے تمتماتے ہوئے چہروں سے جو غصہ میں سرخ ہو رہے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں انتہائی درجہ کا جوش بھرا ہوا ہے موت کا ذرا بھی خوف نہیں۔
مانکچند بھی غصہ میں بھرا ہوا ہے اس کی حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس نے قصد کیا ہے اوس پر جان گنوا دینا کوئی بات نہ سمجھے گا۔ اوسکی چڑھی ہوئی تیوریاں غصہ سے سرخ چہرہ غضبناک آنکھیں اور ساتھ ہی تند نظر سے بار بار قلعہ کو دیکھنا یہ تبلا رہا ہے کہ آج اس نے فتح کی قسم کھائی ہے۔
فوج کا قلعہ کی طرف رخ کرنا تھا کہ ادھر سے بھی گولہ باری شروع ہو گئی۔ لڑائی ہونے لگی۔ تمام میدان میں توپوں کی گرج اور ہر طرف دھواں چھا گیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں قلعہ والوں کی بیدلی ظاہر ہونے لگی۔ اور وہ رک رک کے وار کرنے لگے۔ مانکچند نے اس کیفیت کو فوراً ہی پہچان لیا اور موقع کو غنیمت سمجھکر وہ فوج کے آگے کھڑا ہو کر پرزور الفاظوں میں اس طرح گویا ہوا۔
ہاں میرے بہادر سپاہیو۔ کئی روز ہو چکے کہ تم یوں ہی بے سود لوٹ جاتے ہو۔ دیکھو آج مالک سے شرمندگی نہ حاصل ہو۔ بڑھتے چلو اور قلعہ کی فصیلوں کو اپنی گولیوں سے مسمار کر دو۔ یہی وقت ہے اب تمہاری بہادری دیکھکر اُن کے دلوں میں خوف پیدا ہو گیا ہے۔ ہاں جانباز و اب قلعہ لے لیا ہے۔ بہت تھوڑا عرصہ ہے کہ تم قلعہ کی فصیل پر نظر آؤ گے۔ ہاں ایک حملہ اور جان توڑ کر و۔ فتحیاب ہو۔ نیک نامی حاصل کرو اور کل پر نہ ٹالو۔ تمہارا مالک بھی تمہاری جانبازی کو خوب اچھی طرح دیکھ رہا ہے اس وقت تمہیں اپنی بہادری دکھلانے کا اچھا موقع ہے۔
اتنا سنتے ہی سپاہیوں کے دلوں میں اور بھی جوش پیدا ہوا۔ اسکے دل ہلانے والی تقریر سنکر وہ سب کے سب بیقرار ہو گئے اور سپاہیانہ خون ان کی رگوں میں جوش مارنے لگا۔ اُنکے چہرے آگ کی طرح لال ہو گئے اور نعرے کرتے اور گولے مارتے ہوئے نہایت تیزی سے قلعہ کی طرف بڑھے۔

مسٹر ہارل جسکو قلعہ والوں نے افسر مقرر کیا ہے۔ اس نے اس جوش کو دیکھکر اپنے دل میں پوری طور پر سمجھ لیا کہ اب ان کے سامنے ٹھہرنا بہت مشکل ہے۔ آج وہ بغیر فتح کئے نہ پلٹیں گے کیونکہ یہ مقابلہ بہ نسبت اور دنوں کے نہایت بہادری اور ہمت کے ساتھ ہے جو انکے لئے ضرور مفید مطلب ہوگا۔

یہ دیکھکر اس نے ایک خط مانک چند کے نام لکھا۔ ابھی لڑائی بڑے زور و شور کے ساتھ ہو رہی تھی کہ قلعہ کی طرف سے ایک سوار سبز جھنڈی ہلاتا ہوا آتا دکھائی دیا اور کچھ دیر میں فوج کے پاس پہونچ گیا۔ لڑائی موقوف تو نہیں ہوئی مگر چند لمحوں کے لئے فوج نے گولہ باری اس لئے موقوف کردی کہ یہ سوار واپس جاتے تو پھر جنگ شروع ہو۔

دسواں باب

سوہن تم کہاں

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ہمارے ناظرین اشتیاق میں ہونگے کہ وہ سوار کون تھا جو قلعہ سے جھنڈی ہلاتا آرہا تھا۔ سراج الدولہ کے سپاہی اور خود سپہ سالار مانکچند بڑے ہی تعجب اور حیرت سے اوس کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کے اشتیاق کی حالت میں اُس وقت فرق آیا جب وہ سوار اُس کے قریب آیا اور پگڑی سے ایک خط نکال کر اوسکے ہاتھ میں دیدیا جس میں یہ مضمون لکھا تھا۔

سپہ سالار بہادر

میں ہارل ہوں۔ بہت ہی منت سے آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ میری اس درخواست کو پڑھکر اب رحم سے کام لیں گے جو سپاہیوں کی اعلیٰ صفت ہے۔ بہادر دل ہمیشہ رحیم ہوتے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ آپ نواب سے کہکر اپنی فوج کو واپس بلواتے اس کے عیوض میں کثیر جرمانہ دینا ہم سب کو قبول ہے۔ میں یہ خوب جانتا ہوں کہ اگر آپ نواب پر اس امر میں زور ڈالیں گے تو وہ ضرور ہماری اس عرض کو سن لیں گے اور رحم فرما دیں گے۔ ہم نے نہایت امید کے ساتھ یہ خط آپ کو

لکہا ہے اور یہ خیال کرلیا ہے کہ آپ ضرور ہمارے اس التجا کو قبول کریں گے۔ میں ہمیشہ آپکا مشکور رہونگا۔ اور آپکی اس عنایت کی خبر دور دور پہونچ جائیگی۔ اب میں خط کو تمام کرتا ہوں اور امید ہے کہ آپ اس کام کو بخیر انجام دیں گے۔

راقم۔ ہالول

اس خط کو پڑھکر مانکچند کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ اور خدا جانے کیا خیال کر کے پہر فوج کو حملہ کا حکم دیا اور خود اپنا گھوڑا بڑھا کر سراج الدولہ کی ہاتھی کے پاس آیا جس نے اُس سوار کو آتے دیکھا تھا اور مانکچند کی حرکات پر غور سے نظر کر رہا تھا۔

مانکچند کے پہونچتے ہی سراج الدولہ نے اشتیاق سے اس کی طرف دیکھا۔ ساتھ ہی سپہ سالار نے جھک کر آداب کیا اور وہ خط اوسکی طرف بڑھا دیا۔ جسے اُس نے لیکر پڑھنا شروع کیا۔ جتنا تمام کر گئے وہ مانکچند کی طرف دیکھنے لگا۔ اور پہر فوج کو دیکھا جو اب فصیل قلعہ کے نزدیک پہنچ چکی تھی گولہ باری اُسی طرح جاری تھی۔

نواب۔ تو پہر مانکچند تمہاری کیا رائے ہے۔

مانکچند۔ جو خداوند نعمت کی رائے ہے۔

نواب۔ تو کیا میں کبھی اپنے اتنے سپاہیوں کے خون کے بعد بھی بلا مطلب حاصل ہوئے صلح کرسکتا ہوں؟

مانکچند۔ ہرگز نہیں حضور عالی۔

نواب۔ واقعی کبھی نہیں۔ میں اب کچھ کہنا بیکار ہے میں تمہاری تعریف کرتا ہوں کہ کس طرح اپنی فوج کو جوش دلا کر بڑھایا ہے۔ امید ہے کہ اسی طرح کی جنگ کے بعد وہ تہوڑی دیر میں قلعہ پر پہونچ جائیں گے۔

اس تعریف پر مانکچند نے جھک کر دوبارہ آداب کیا اور کہنے لگا۔

مانکچند۔ خداوند نعمت اس قلعہ نے مجھے مالک کی طرف سے بدظن کرادیا۔ حضور کی اوس گفتگو سے جو شب کو ہوئی حقیر کو اپنے جان کا خوف ہو گیا تہا مجھے خود بھی صلح اب منظور نہیں ہے۔

نواب۔ میں آج ہی لڑ بھڑ کر فیصلہ کر لینا چاہتے۔ اسکا یہی جواب ہے۔

یہ سنتے ہی مانکچند سلام کر کے رخصت ہوا اور اوس سوار کو صاف جواب دیکر اپنی فوج میں

مل گیا۔ چونکہ سپاہیوں کو اس خط کے مضمون سے ذرا بھی آگاہی نہ تھی وہ اوسی ارادہ کے ساتھ لڑتے ہوئے بڑھے جاتے تھے۔ اور جیوں جیوں قلعہ کے فصیل کے نزدیک ہوتے جاتے ان کا جوش اور ترقی پذیر ہوتا۔ جسپر مانکچند کے تشفی آمیز جملے اور بھی سونے پر سہاگہ ہوجاتے۔

اب مسٹر ہالول کو یقین ہوگیا کہ مانکچند بھی صلح نہ کرے گا وہ بھی کسی وجہ سے غصہ میں ہے آخر مسٹر ہالول نے مجبور ہو کر ایک مرتبہ رایل جارج جہاز کی طرف اشارہ کیا کہ وہ مدد کرے۔ لیکن نواب کے خوف سے وہ سب کچھ ایسا خوف زدہ ہوگئے تھے کہ مسٹر ڈریک یا کسی اور افسر نے قومی ہمدردی کے خیال سے بھی مدد نہ کی اور نہ اپنی جگہ چھوڑی۔ البتہ یہ ہوا کہ مسٹر ڈریک نے دوربین سے اوس جھنڈی کو دیکھنا شروع کیا جو مدد کے لئے اوسکو اشارہ کر رہا تھا۔ اور پھر خاموش ہو رہا۔

اس وقت ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ہالول مسٹر ڈریک سے اس چشم پوشی پر کیسا ناخوش ہوا ہوگا۔ اور کسقدر دلی نفرت پیدا ہوگئی ہوگی۔ مگر اس وقت وہ کیا کر سکتا تھا خود مصیبت میں پھنسا تھا۔ دیکھہ رہا تھا کہ نواب کی فوج رو کے نہیں رکتی۔ اوسپر طرہ یہ کہ سامان جنگ اور سپاہی دمبدم کم ہوتے جاتے ہیں۔ ہمت چھوٹی جاتی ہے۔ عین لڑائی کی حالت میں ہمنے دیکھا کہ مانکچند نے ایک سوار کے کان میں کچھ کہا۔ جسکے بعد وہ سپاہی فوج سے کچھ اشارہ کرکے قلعہ کی طرف بڑھا۔

مسٹر ہالول اپنی آیندہ قسمتوں کو دیکھہ رہا تھا۔ جو خوفناک صورتیں بنا بنا کر اس کے سامنے آتی تھیں جس سے اُسکے خیالات بدل جاتے تے اسکو موجودہ حالت پر غور کرنے کا موقع نہ ملتا تھا اور جس سے اُس نے یقین کرلیا کہ اب جان بچنی مشکل ہے۔

اس وقت مانکچند کے پاس سے ایک سوار کو قلعہ کی طرف آتے دیکھکر اس نے خیال کیا کہ شاید یہ کوئی نامہ لیکر آتا ہے مگر واقعی ایسا نہ تھا۔ اور اس نے فوراً گولہ باری کی موقوفی کا حکم دیدیا۔ اس حکم کے سنتے ہی انگریزی سپاہیوں نے لڑائی سے کچھ دیر کے لئے ہاتھہ روک لیا۔ یہ غلطی اس سے بڑی فاش ہوگئی جس نے اسکے ہاتھہ سے فوراً ہی قلعہ چھنوا دیا۔

نواب کے جانباز سپاہیوں کو اتنی مہلت غنیمت ہو گئی جو اپنی جانیں بچاکر فصیل کے پاس آ گئے تھے فوراً سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ جسے دیکھکر بقیہ فوج بھی سمٹ کر فصیل کے نیچے آ گئی اور گولہ باری کا موقع نہ رہا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ سب فتحمندوں کی طرح قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت دن کے پانچ بج چکے تھے۔
جب یہ فوج قلعہ میں داخل ہوئی۔ آفتاب ان کی خوفناک جنگ دیکھکر پریشان ہو گیا تھا یا اور اسی وجہ سے اُس میں حرارت اور تیزی کا نام نہ تھا جو کچھ دیر پیشتر تھی۔
ناظرین آج کا معرکہ جنگ اس زور شور کے ساتھ تمام دن گرم رہا کسی سپاہی کو کمر کھولنے کی بھی نوبت نہ آئی۔ قریب پانچ بجے کے اب فوج قلعہ کو فتح کر کے آسودہ ہوئی ہے مانک چند کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا ہے۔ دلی خوشی ہو ہو کر آنکھوں سے ظاہر ہو رہی ہیں۔ دل ہی دل میں اس فتح کا شکریہ کر رہا ہے۔ اور نواب سراج الدولہ کی آمد کا منتظر ہے۔
شام کے چھ بجے تھے کہ نواب کا تامدان قلعہ میں داخل ہوا اور یہ ایک پر تکلف مخملی مسند پر بیٹھ گیا فوجی افسروں نے اسکے گرد حلقہ کر لیا اور اس فتح کی نذریں گذرنے لگیں اس خوشی میں نواب بھی آج تاج شاہی پہنے پھولا نہیں سماتا۔ اور اپنے فاتح سپہ سالار مانکچند کیطرف مخاطب ہو کر جو اس کے سامنے ہی کھڑا ہے یوں کہہ رہا ہے
نواب۔ مانکچند شاباش تم نے جو کچھ کہا تھا وہی کیا۔ تم ایک لائق اور بہادر افسر ہو میں تمہاری قدر کرتا ہوں تمہاری دلجمعی اور اطمینان سے نے اس جنگ کو فتح کر لیا جیسے ہم آج اس قلعہ میں نہایت فتحمندی کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ اب میری عنایتیں تم کو اور بھی معزز عہدہ پر پہونچائیں گی۔ تم امیدوار رہنا۔
نواب کے اس جملہ پر مانکچند نے سینہ پر ہاتھ رکھکر اور بڑے ادب سے جھک کر آداب کیا۔
تھوڑی دیر کے بعد قیدی لائے گئے جن میں سب کے آگے مسٹر مالول دست بستہ کھڑا تھا جو ایک وقت میں اونکا افسر تھا۔
کیوں ناظرین۔ ہم لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ اسوقت مسٹر مالول کیا خیال کرتے ہونگے۔ اور

کچھ انہیں پر منحصر نہیں وہ تمام قیدی جو پہلے نواب کے دشمن تھے اور اب گرفتار ہو گئے ہیں۔ پا بہ زنجیر گردنیں جھکائے تخت کے سامنے کھڑے ہیں ایسی مایوسی کی حالت میں اُن کا دل اُن سے کیا کہہ رہا ہوگا۔ ان لوگوں نے بیشتر واقعی ہیں مسٹر ڈریک کی رائے سے نواب کا کچھ خیال نہ کیا اور نہایت سختی سے جواب دیا۔ اور وہی سب خیالات انکے دلوں میں پیدا ہو کر خوف دلا رہے ہیں کہ دیکھئے اب اُس سخت کلامی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے کیونکہ نواب سخت زحمت کے بعد اپنے ارادے میں کامیاب ہوا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرف نہایت تند نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔

سب کے آگے مسٹر ہالول کھڑے تھے۔ انکے بھی ہاتھ بندھے تھے اور نواب کا فیصلہ سُننے کے لئے نہایت توجہ سے کان لگائے تھے۔ اس کے سوا یہ اور خیال ہی کیا کر سکتے تھے کہ اب کچھ دیر میں نواب کے اشارہ پر سپاہیوں کی تلواریں میری فرنگی اور قیدیوں کے خون سے سُرخ ہو جائیں گی۔ مگر نہیں سراج الدولہ نے تھوڑی دیر کچھ سوچنے کے بعد اپنے سپہ سالار مانکچند سے مخاطب ہو کر پوچھا جو کسی قدر غرور اور خودمندی کا پہلو لئے تھا۔

نواب۔ مانک چند۔

مانکچند۔ دست بستہ (ادب با ملاحظہ) خداوند نعمت۔

نواب۔ یہی مسٹر ڈریک ہے جس نے سخت الفاظ سے ملک دولت کو یاد کیا تھا۔

مانکچند۔ نہیں حضور والا۔ وہ تو آج صبح ہی کو خدا جانے کیونکر قلعہ سے بھاگ گیا جسکے مفرور ہونے پر قلعہ والوں نے اس معزز قیدی کو جو حضور کے سامنے کھڑا ہے اپنا افسر بنا لیا۔ اور اس نے نہایت مختصر فوج کے ساتھ حضور کے جانباز سپاہیوں اور قہار فوج کا مقابلہ کیا اور داد جوانمردی دی۔

نواب۔ تو یہ ڈریک نہیں ہے۔

مانکچند۔ نہیں خداوند۔

نواب۔ اچھا تو اس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اسکے ہاتھ کھول دئے جائیں اور بیٹھنے کی اجازت دیجائے۔ نواب کا حکم ہوتے ہی مسٹر ہالول کا ہاتھ کھولدیا گیا اور وہ نہایت ادب کے ساتھ اس عنایت کا شکریہ ادا کرنے لگا جسکے خیال میں بھی یہ بات کبھی نہ آئی تھی.

سراج الدولہ اپنے دشمن کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گا۔مسٹر ہالول نے آزاد ہو کر بہت مہذب پیرائے میں کھڑے ہو کر نواب کی خدمت میں عرض کیا۔

ہالول۔ میں اعلیٰ حضرت صوبہ دار بنگال کی خدمت میں بڑے ادب سے عرض کرتا ہوں کہ حضور کے ایک مصاحب یا جنرل کے بارے میں مجھے ایک شخص نے کہا کہ یہ جاسوس ہے اور چونکہ اُس وقت تک ہم قلعہ کو اپنا سمجھتے تھے اس لئے وہ قید کر لیا گیا اور وہ ہمارے قبضہ میں ابتک موجود ہے۔

نواب۔ (کسی قدر متعجب ہو کر) کون؟ جلد لاؤ۔

اس کے حکم دیتے ہی ایک شخص حاضر کیا گیا جو اس وقت بہت نحیف معلوم ہوتا ہے لیکن اسپر بھی اُسکے چہرہ سے بہادری کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کو کیا بیماری ہے مگر دیکھنے سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اسکو کچھ قلبی صدمہ ہے۔

اس کے دربار میں آتے ہی کل درباریوں کی نظریں اس کی طرف اُٹھ گئیں لیکن اس قیدی کی جسمی حالت میں اسقدر تغیرات ہو گئے تھے کہ کسی نے پہلی نظر میں اسکو نہ پہچانا اور یہ نواب کے قریب لایا گیا۔ اسکی شناخت اُس وقت ہوئی جب اُس قیدی نے تخت کے قریب پہونچکر اسی شاہی آداب کے ساتھ نواب کو بہت جھک کر سلام کیا جسکے ساتھ ہی نواب نے آواز دی ”موہن لال تم کہاں“

راوی۔ یہ موہن لال ہے۔ افسوس! ہاں سچ تو ہے جس روز یہ اپنی پیاری جمیلہ کے مکان کی تلاش میں دوپہر کو قاسم بازار کی طرف گھوم رہا تھا اُس روز ایک شخص تھوڑی سی انگریزی فوج کے ساتھ اسکو گرفتار کر کے گیا تھا اور یہ بیچارہ اُس وقت چلا گیا۔ اسوقت شاید اُس گرفتاری کی وجہ معلوم ہو۔

موہن۔ حضور کیا عرض کروں کہ کہاں قید تھا۔

نواب۔ تمہارے قید ہونے کی کوئی وجہ ہے۔

موہن۔ خداوند نعمت۔ میں نے مطلق نہیں سمجھا کہ کیوں گرفتار کر لیا گیا۔ ہاں اتنا سنا کہ مجھپر جاسوسی کا الزام لگایا گیا اور اس سبب سے مجھے قید میں رہنا پڑا۔

نواب۔ (ہالول سے مخاطب ہو کر) وہ کون شخص تھا جس نے اسکی مخبری کی

اور جھوٹھا الزام لگایا۔

ہالول۔ وہ حضور ہی کا...... یہ کہکر رک گیا۔

نواب۔ کیا حضور ہی کا۔

ہالول۔ حضور ہی کا مصاحب تھا جس نے مجھے اطلاع دی۔

نواب۔ (تعجب سے) میرا مصاحب۔

ہالول۔ اور حضور اوس کا نام بھی دیکھئے...... (کچھ سوچکر) بھول گیا

نواب۔ (اپنے مصاحبین کی طرف اشارہ کرکے) دیکھو ان میں تو کوئی نہیں ہے۔

ہالول۔ (غور سے دیکھکر) نہیں حضور ان میں نہیں ہے۔ خوب یاد آیا اوسکا نام محمد علی۔

راوی۔ کون محمد علی۔ اوہاہ اب خیال آیا۔ وہی جس نے موہن لال سے کہا تھا کہ تمہاری جمیا میں کوئی حصہ تو لگاتا نہیں۔ تمہیں بتلانے میں عذر کیا ہے؟ جسپر موہن لال نے غصہ میں اوس کے عادات اور نواب کے دربار کی خرابی پر ایک بڑی اسپیچ دی تھی وہی محمد علی ہے۔

محمد علی کا نام سنتے ہی کل مصاحبین کی جان سوکھ گئی۔ سبھوں نے سر جھکا لئے۔ شرم سے پیشانیوں پر پسینہ کے قطرے نمایاں ہوگئے اور سب بڑے ہی بیچینی اور خوف سے اس بات کے سننے کے لئے مشتاق ہوگئے کہ دیکھئے اب کیا حکم ہمارے بارے میں دیتا ہے کیونکہ راز فاش ہوگیا۔

سراج الدولہ یہ سنتے ہی آگ ہوگیا۔ اور بڑی دیر تک غصہ سے کسی کی طرف مخاطب نہ ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ محمد علی عقلمندی سے آج آیا ہی نہیں ہے وہ قلعہ کے اندر فوج کے داخل ہوتے ہی اپنی خوف سے بھاگ گیا تھا۔ دربار میں دیر تک سناٹا رہا۔

گیارھواں باب ۱۱

کشنداس

درباریوں کی اسی خوف کے عالم میں گذر رہی تھی کہ نواب سراج الدولہ نے انلوگونکی

طرف دیکھا مگر کچھ کہا نہیں - اور اسکے بعد کشنداس طلب کیا گیا - کیونکہ نواب کے اس حملہ کا صرف وہی باعث تھا - اس مرتبہ لوگوں کے دلوں میں نواب کے سلوک کا دوسرا خیال پیدا ہوگیا اور وہ سوچنے لگے کہ کشنداس کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کیا جائیگا - یہ سارا غصہ اُسی پر اترے گا -

موہن لال بھی یہ دیکھکر کچھ دیر تک تو غور کرتا رہا (کیونکہ یہ قید سے چھوٹ چکا تھا) سراج الدولہ کے قیدیوں کے ملاحظہ کے وقت وہ مصاحبین جو اسکی صحبت قبیحہ کے باعث تھے ایک ایک کرکے چلے گئے تھے اب صرف وہی لوگ رہ گئے تھے جنکو فوج سے تعلق تھا اور جو اس جنگ کے فاتح تھے - الغرض اس سکوت کو موہن لال نے یوں توڑکر

موہن لال (نہایت ادب اور دھیمی آواز سے) میرا مالک اور افسر کیا مجھے اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ میں اپنے دلی خیالات خدمت عالی میں ظاہر کروں -

نواب - ہاں ہاں - موہن لال تم میرے لائق افسر ہو - میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم جو چاہو کہو - تم یہ مت سمجھنا کہ تمہارے اس جنگ میں شریک نہ ہونے سے مجھے کچھ خیال ہوگیا ہے نہیں ایک صورت سے تو تم بھی شریک رہے کیونکہ تم میرے جاسوس ہونے کی وجہ سے قید کئے گئے تھے -

موہن - غلام یہ دریافت کرتا ہے کہ اس کے گذشتہ حق نمک ادا کرنے کا حضور سے کوئی صلہ ہو سکتا ہے -

نواب - ہاں ضرور - تمہاری وفاداریوں کا خیال نہ کرنا غلطی ہے تم نے میرے صدہا کاموں کو نہایت خوبی سے انجام دیا ہے - اور تمہارا مجھپر بڑا حق ہے - تم جو چاہو کہو - کوئی ضرورت اُنکے ظاہر کرنے کی نہیں ہے -

موہن - کیا حضور اُس عرض کو قبول فرمادیں گے -

نواب - ہاں اگر وہ قابل سماعت ہوگی -

موہن - بیشک وہ اس لائق ہے اور صرف ایک اشارہ سے پوری ہو سکتی ہے -

نواب - تو پھر تم کہتے کیوں نہیں -

موہن - کشنداس کے عزت کی حفاظت

یہ جملہ موہن لال نے کچھ خوف اور کچھ شرم سے بہت ہی دبی زبان سے کہا جسے سراج الدولہ

صرف جنبش لب سے سمجھا اور مسکرا کر بولا۔
نواب۔ بس اتنی سی بات پر تم اس قدر پس و پیش کر رہے تھے۔
موہن۔ ہاں حضور بس اسیقدر۔ غلام تو اس کو بڑی بات سمجھا تھا لیکن اعلیٰ حضرت صوبہ دار بنگال کے نزدیک کچھ بھی نہ ٹھہری۔ یہ ضرور ہے کہ حضور کے ایک نظر مہر اوسنے کو اعلیٰ درجہ پر پہونچا سکتی ہے۔
نواب۔ میں تم سے بھی کچھ زیادہ سوچے تھا۔
موہن۔ دہبت زیادہ خوشی سے) حضور سے ایسی امید ہے۔
نواب۔ میں اُسکے ساتھ نہایت عنایت سے پیش آؤں گا۔
اتنا سنکر موہن لال کی رگوں میں وفاداری کا خون جوش مارنے لگا۔ اور نہایت ہی مسرت کے ساتھ اُس نے اپنے مالک کی اسقدر قدر افزائی کا شکریہ ادا کیا۔ اتنے میں کشنداس بھی حاضر کیا گیا۔ جو یہ نہیں جانتا تھا کہ سراج الدولہ نے کیا سوچا ہے اور کس خیال سے اور موہن لال نے کیا سفارش کی اور کس لئے۔
وہ تو یہی سوچتا تھا کہ نواب فوراً قتل کا حکم دیگا اور میں اپنے خون میں نہا جاؤں گا۔ بس میری زندگی کی یہ آخری ساعت ہے۔ اتنا ہی سوچنے میں اسکی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا۔ دنیا تاریک ہوگئی۔ زندگی کی کچھ امید اپنی جھلک دکھا کر اسکو دربار میں لے آئی تہی ورنہ وہ کبکا بیہوش ہوگیا ہوتا۔
سراج الدولہ کے روبرو آتے ہی اس کے بدن میں رعشہ پڑ گیا۔ اور اُسکی صورت اوس کی آنکھوں میں موت کا فرشتہ بنکر پھرنے لگی۔ لیکن نہیں درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ کشنداس بالکل غلط خیال کر رہا تھا۔ اس کے دربار میں حاضر ہوتے ہی سراج الدولہ نے خلعت کا حکم دیا۔ پہلے آواز تو کشنداس نے بہت خوف سے سُنی جسے وہ سمجھا کہ میرے قتل کا حکم دیا گیا مگر دوبارا سنکر اُسے زندگی کی امید پیدا ہوگئی اور بہت خوش ہوا۔
سراج الدولہ نے کچھ عرصہ تک اس سے مہربانی سے باتیں کیں اور اس کے بعد خلعت سے ممتاز کیا۔ انہیں باتوں اور کارروائیوں میں وہ وقت آگیا کہ جہاں کا روشن کرنیوالا آفتاب آشیانہ مغرب کے قریب پہونچ گیا۔ اب تو اس کی غیر موجودگی یا یوں کہیے کہ روپوشی فراق اور کہیں وصل کی رات سے تعبیر کی جائیگی عجیب بات ہے

کہ کوئی تو سکوت شب دیکھکر کسی آنے والے کے خیال میں خوش ہو ہو کر یہ شعر پڑھ رہا ہے ؎

ڈھلا دن قریب آیا وعدہ کسی کا
دھڑکتا ہے تنہا کلیجہ کسی کا

اور کوئی شب فراق کی پر درد گھڑیوں اور انتظار کو خیال کرکے اپنے دل میں یوں کہہ رہا ہے ؎

شب فرقت گذر لی ہے جو دلبر آپ کیا جانیں
سحر کرتے ہیں ہم کیونکر تڑپ کر آپ کیا جانیں

کسی مقام پر کوئی دعائیں مانگ رہا ہے "یا اللہ آفتاب جلد غروب ہوا اور ہم اپنے دریا سے دل کے حوصلے نکالیں۔ اف ابھی اسکی روشنی باقی ہے"

غرض اب شام کے آثار نمایاں ہوگئے۔ اور لیلی شب نے اپنے سنہرے ہوئے جوڑے کو کھولکر گیسوؤں کی سیاہی سے تمام عالم کو محیط کر لیا۔ نوشاہ فلک یہ نظارہ دیکھکر اسکا دلدادہ ہوگیا اور جلد جلد قدم بڑھا کر دلی تمنائیں نکالنے کے لئے اسکے در پر کھڑا ہوا۔ ایک نگاہ لطف کا طالب تھا۔ شام کی ٹھنڈی ہوا آہستہ آہستہ چلنے لگی جس نے باغ میں ان کلیوں کو شگفتہ کر دیا جو تمام دن کی کڑی دھوپ کھانے سے بالکل پژمردہ ہوگئی تھیں۔ افق مغرب سے زمین کے دلی بخارات جو باطنی سوزش کی لگائی ہوئی آگ سے جمع ہو رہے تھے۔ اس وقت اپنے خون ناحق کی داد دینے کے لئے فلک پر نمایاں ہوگئے پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور شہروں کے اونچے مینار اپنا سر اوٹھا کے نہایت شوق سے قدرت کے اس کھیل کو دیکھنے لگے۔ لیکن اب اوپر بھی وہ طلائی روغن نظر نہیں آتا اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے۔ طائران تیز پرواز اپنے اپنے آشیانوں میں خاموش بیٹھے ہیں اور جو صبح ہوتے ہی اپنے رزق کی تلاش میں ادھر ادھر چلے جائیں گے نیلے آسمانوں پر چھوٹے چھوٹے تارے عجب دلفریبی کے ساتھ کسی کی چشم شوق کی طرح جھلک رہے ہیں۔ دریا جو تمام دن نہایت اطمینان کے ساتھ لہریں لے رہا تھا اس وقت بالکل مسطح ہو گیا ہے اور اپنے صاف اور آئینہ سا چہرہ کو دکھلا کر یہ کہہ رہا ہے۔ کہ ہمیشہ ایک حالت سے کسی کی بسر نہیں ہوتی۔ دیکھو دن کو میری کیا صورت تھی اور اس وقت کیسی ہے۔ ہر شخص اپنے

کام کو ختم کرنے کے اب آرام کے لئے مکان پر واپس آ گیا ہے۔ لیجئے شب کے آٹھ بجے نواب نے بھی قلعہ سے اپنے کیمپ میں جانے کا ارادہ کیا اور مانکچند سے یوں کہنے لگا۔

نواب۔ مانک چند چونکہ تم اس جنگ کے فاتح ہو لہذا تم ہی ان قیدیوں کی حفاظت بھی کرو۔

مانکچند۔ خداوند نعمت بہت خوب۔

نواب۔ بہت ہوشیاری سے کام لینا کیونکہ یہ سب بڑی مشکل سے ہاتھ آئے ہیں۔

مانکچند۔ غلام خود ان کی حفاظت کرے گا۔ اور سر مو فرق نہ ہوگا۔ سراج الدولہ یہ سنکر اپنے کیمپ کو چلا گیا۔

ان قیدیوں کی تعداد ایک سو چالیس ۱۴۶ تھی جس میں مسٹر ہالوں اور بارہ زخمی افسر بھی تھے ان کے رہنے کے لئے جگہ تجویز کی جانے لگی۔ اس قلعہ میں ایک کوٹھری اٹھارہ فٹ لمبی اور چودہ فٹ چوڑی تھی جس میں صرف ایک کھڑکی ہوا کے لئے لگا دی گئی تھی۔ کل قیدی اسی میں بند کر دئے گئے تھے۔

ایک تو گرمی کا زمانہ دوسرے ایسی تنگ جگہ میں اس قدر آدمیوں کا رہنا بہت جلد ان بیچاروں کو پیاس معلوم ہونے لگی۔ اور حلق سوکھنے لگی۔ پانی پانی کی آواز ہر گوشہ سے آنے لگی۔ محافظ سپاہی پانی پلاتے جاتے تھے مگر ان کی پیاس کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ کوٹھری نہ ہونے ہوا کے از حد حبس ہو گیا تھا۔ ایک پر ایک بیتابی سے گرا پڑتا تھا کہ ہم کھڑکی کے قریب جا کر تازہ ہوا حاصل کریں۔ اس گھبراہٹ اور انتشار میں اکثر لوگ کچل جاتے تھے جو کمزور ہو کر گر پڑتے تھے اور دم واپسیں میں پڑے ہچکیاں لے رہے تھے۔ ان لوگوں نے اکثر محافظین سے درخواست کی کہ ہمیں جان کا وحالت میں وہ زندہ رہنا پسند نہیں کرتے بہتر ہے کہ قتل کر کے کام تمام کر دیا جائے اور اس تکلیف سے نجات ملے۔ لیکن اسکو کون سنتا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ سب بیہوش ہو کر گر پڑے اور جو باقی رہ گئے وہ مُردوں کے انبار پر کھڑے ہو کر اُس کھڑکی کے قریب آ گئے جس میں سے کچھ ہوا آ رہی تھی۔ لیکن اوپر بھی انکی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ صبح تک کھڑے رہتے وہ سب اونگھ رہے تھے

اور جب صبح کو دروازہ کہولا گیا تو ایک سو چالیس ۱۴۶ آدمیوں میں سے صرف تیئس ۲۳ زندہ نکلے اور سب مر گئے تہے۔ جنکو محافظین نے مشکل نکالا۔ تاریخ میں اسکا نام کال کوٹہری ہے لیکن جیسا کہ مورخین کے قول سے ثابت ہے وہ درست ہے کہ نواب کے حکم سے یہ امر نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ مانکچند کی کم توجہی اور ناسمجھی تہی۔ کیونکہ نواب نے قیدیوں کو اس کی حفاظت میں دیدیا تہا۔ صبح کو جب نواب نے یہ حال سنا تو اوس نے نہایت صدمے اور رنج و افسوس کیا تہا مانکچند پر خفگی اور ناراضی ظاہر کی۔ مگر جو کچہ ہونا تہا وہ تو ہو چکا تہا اب وہ کر ہی کیا سکتا تہا مجبور ہو کر خاموشی اختیار کی۔ ان باقی ماندہ لوگوں میں مسٹر ہالول بہی تہے اور پہر یہ سب قیدی دربار میں لائے گئے۔

نواب۔ (مانکچند سے) مانکچند تمہاری اس غفلت نے مجہے تمام دنیا سے کہو دیا اب میں ظالم اور سنگدل مشہور ہو جاؤں گا

مانکچند۔ حضور کا فرمانا بہت درست اور بجا ہے مگر حقیر سے اس میں غلطی صرف اس قدر ہو گئی کہ گرمی کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ خادم کو یہ گمان پیدا ہوا کہ کہیں رات کو یہ لوگ بہاگ نہ جائیں۔ ورنہ ان قیدیوں کے مرنے سے فدوی کا کوئی ذاتی نفع مقصود نہیں ہو سکتا۔

نواب۔ ہاں یہ تو فدوی سے ہے مگر دوسرے اس کا خیال نہیں کر سکتے اور مجہے زمانے بہر میں ظالم مشہور کریں گے۔ افسوس تمہاری ذراسی کم توجہی نے یہ سب کچہ کیا۔ اب میرا نام تواریخوں میں ظلم سے سیاہ اور جابر لکہا جائیگا میں تمہیں اسکی سخت سزا دیتا مگر خیر میں تمہاری وفاداریوں اور جاں نثاریوں پر نظر کر کے معاف کرتا ہوں۔

مانکچند۔ خداوند نعمت۔ بیشک مجہسے یہ غلطی تو ہو گئی جسکا میں اقرار کرتا ہوں۔

ناظرین۔ اب میں ان لوگوں کی طرف مخاطب ہوتا ہوں جنکا یہ خیال ہے کہ اس واقعہ سے جو مانکچند کی غفلت سے ہوا جناب اہل فرنگ کے خیالات مسلمانوں کی طرف سے خراب ہو رہے ہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ صرف ہمارا خیال ہی خیال ہے۔ کیونکہ نواب کا یہ منشا ہی نہ تہا کہ وہ قیدی ہلاک ہو جائیں۔ اور بفرض محال اگر اسے بہی تہوڑی دیر کے لیئے مان لیا جاے تو ایک شخص کے ظلم سے تمام قوم پر

کسی طرح الزام نہیں آ سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مسلمانوں کے حال پر کبھی صاف بہت با وجود دیکھا انہوں نے زمانۂ گذشتہ میں عیسائی قوموں کے ہاتھ سے بڑے صدمے اوٹھائے ہیں۔ ذرا اُس تواریخ کو اوٹھا کر دیکھئے جس میں سلطنت غرناطہ اور عیسائیوں کی بڑی بڑی لڑائیوں کا حال لکھا گیا ہے جہاں لاکھوں مسلمانوں بے گناہ برچھیوں کے پیروں سے پیسوائے گئے۔ اونکے چھوٹے چھوٹے بچے والدین کے سامنے چھُرے سے ذبح کر دئے گئے یا زندہ دیواروں میں چنوا دئے گئے کیا اُن کے ان مظالم سے ہمیشہ کے لیے تمام قوم پر دھبّا لگ جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ملکی امورات سلطنت میں ایسی ہی تدبیر رعب و سطوت کے کام بہی نہیں چلتا۔ اچھا اس کو بھی نہ لیجئے صرف تواریخیں دیکھئے تو آپکو معلوم ہو جائیگا کہ انگلستان جرمن۔ فرانس اٹلی۔ روس۔ اور اسپین وغیرہ میں اس سے بڑھ بڑھ کر مسلمانوں اور دیگر قوموں پر ظلم کئے گئے ہیں۔ اب میں پھر سراج الدولہ کا حال سناتا ہوں۔ جو مانکچند پر ناراض ہو کر مسٹر ہالول کی طرف مخاطب ہوا ہے۔

نواب۔ ہالول ہاں تو تمہارے خزانہ کی کنجیاں کہاں ہیں۔

ہالول۔ حضور یہ سب حاضر ہیں۔ اس کے بعد اُس نے وہ جگہ بتادی اور کل خزانہ نواب سراج الدولہ کے سامنے لایا گیا جو پچاس ہزار روپیہ تھا۔

نواب۔ کیا تمہارے قلعہ میں صرف اسیقدر خزانہ تھا۔

ہالول۔ ہاں حضور صرف اسیقدر۔

نواب۔ مجھے از حد تعجب ہے۔

اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ بڑا شرمندہ ہو رہا ہے کیونکہ وہ سُن چکا تھا کہ انگریزوں نے تجارت میں بڑی ترقی دی ہے اور بہت سا روپیہ جمع کر لیا ہے لیکن یہاں اس نے دیکھا کہ صرف پچاس ہزار روپیہ ہے۔

کچھ دیر کے بعد اس نے مانکچند کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

نواب۔ مانکچند۔ آج ہی مشہور کر دو کہ ابھی وقت سب لوگ اس قلعہ کو علی نگر کہیں کوئی کلکتہ نہ کہے۔

مانکچند۔ بہت خوب۔

غرض یہ انتظام کرکے معراج الدولہ سے کچھ دنوں بعد کلکتہ سے روانہ ہوکر دریائے ہوگلی کو پار کیا اور یوروپین تاجروں کو بھی جنھیں زمین دی گئی تھی خط لکھا گیا کہ وہ فوراً زرتاوان ادا کریں ورنہ انکا بھی ویسا ہی حال ہوگا جیسا کہ کلکتہ والوں کا حال ہوا۔ چونکہ یوروپین تاجران اس کے ظلم کی داستانیں سُن چکے تھے ایک نے ۳ لاکھ اور دوسرے نے ساڑھے تین لاکھ روپیہ ادا کیا۔

سنہ ۱۷۵۶ء میں انگریز لوگ بنگال سے نکال دیئے گئے چند لوگوں نے تھوڑی سی زمین کا ٹھیکہ لیا موجودہ قصبہ شیرام پور کی بنیاد انہیں لوگوں سے ہوئی جسکے بعد انہوں نے اوس قصبہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اور فتحمند نواب مرشدآباد واپس آیا۔

بارھواں باب

مشتاق کی ملاقات

وعدہ کسی سے بات کا ہے مدتوں کے بعد

اے دل ٹھہر ابھی سے نہ یوں بیقرار ہو

ہمارے دوست موہن لال کو قید سے رہا ہونے کے بعد کیا خیال ہو سکتا تھا؟ جس کا خیال بڑا پیارا ہے اور وہ اوسی کے شکریہ ادا کرنے میں مشغول ہے اُسکے دل میں ایک نئی قسم کا جوش پیدا ہے۔ اس لئے کہ اُس نے اپنے پیارے دلربا کے بھائی کشندا س کو نواب کے ظلم سے بچا لیا۔ اگر وہ نہ کچھ خیال کیا تو صرف موہن لال کی گذشتہ خدمتوں اور وفاداریوں پر ورنہ کشندا س ضرور سزایاب ہوتا۔

اس مقام پر ہم اپنے ناظرین سے یہ پوچھتے ہیں کہ موہن لال کے زخم دل کیا۔ ہائے ہائے نہیں ہوسکتے ہیں کیا لاوٹی وفا کا خیال اوسکو ہر وقت نہیں رہتا ہے۔

ہاں ضرور! دیکھو وہ اپنے خیمہ میں اس وقت بھی بیٹھا ہوا کچھ کہہ رہا ہے جو بالکل اُسکے دلی خیالات کا فوٹو ہے آئیے سنئے۔

موہن — میری رہائی تو میرے مالک نواب کی وجہ سے ہوئی۔ مگر کشنداس میری سفارش سے بچ گیا۔ کیا عجب ہے کہ میری پیاری چھپانے بھی اس حال کو سنا ہو اور میری طرف سے خوش ہوگئی ہو۔ مگر افسوس میرے اور اوس کے درمیان بُرکا و ٹک

ایسا پردہ حائل ہے کہ میں اُس سے مل نہیں سکتا۔ نواب نے لکشنداس کو شہر میں رہنے کا حکم ہی دیدیا اور وہ آ ہی گیا ہے۔ گو مجھے یہاں نصیب کو زیارت تک نصیب نہ ہوئی۔ یوں ہی تڑپتا رہا۔ پھر جب ملنا نہیں تو خیالات کیوں ستا رہے ہیں۔ اس بیقراری کی کوئی وجہ ہے۔

موت آتی ہے خدا جانے کہ یاد آتا ہے

کاش خط ہی آ جاتا جسکے تسلی آمیز جملے دیکھکر کچھ تسکین ہوتی مگر قسمت ہی تو ایسی ہو۔ پیاری چمپا تو مجھسے خفا ہوگئی ہے۔ وہ میری صورت دیکھنا کیونکر پسند کریگی۔

اچھا میں لکشنداس کے مکان پر چلوں۔ شاید کوئی میرا آشنا مل جائے جس سے میں اس رباکی خیر دریافت کروں۔ بس یہی بہتر ہے چلنا چاہیئے۔

ہمارا دوست یہ خیال کرکے اُٹھا اور کپڑے پہنکر اسی خیال میں دروازے سے باہر نکلا چاہتا تھا کہ کسی کو آتے دیکھکر کھڑا ہوگیا۔ اور جسکے قریب آنے پر پہچان کر دور سے چلا اٹھا رادھی تم کہاں۔

رادھی۔ حضور ہی کے پاس تو آئی ہوں۔

موہن۔ آؤ آؤ میں تو تم کو یاد ہی کیا کرتا تھا۔

اتنا کہکر موہن جوشِ مسرت سے پھر پلٹ آیا۔ رادھی بھی اُسکے ساتھ تھی وہ مارے خوشی کے جامہ میں نہ سماتا تھا اسکو اس قدر خوش ہمنے کبھی دیکھا ہی نہ تھا جتنا اس وقت دیکھتے ہیں البتہ اس کے قبل جب یہ ڈھاکہ جا رہا تھا تو اس وقت بھی کسی کے اشتیاق میں اسکی ایسی حالت تھی مگر اس وقت اور بھی زیادہ ہے۔

موہن اور رادھی ایک خوشنما کمرہ میں داخل ہوئے جہاں ہمارا بہادر جنرل اسکی بات سُننے کے لئے مشتاق ہوکر سامنے بیٹھ گیا۔

رادھی۔ حضور کا مزاج تو اچھا ہے۔

موہن۔ یہ تم کس کی طرف سے پوچھتی ہو؟

رادھی۔ اس سے حضور کا مطلب؟

موہن۔ کچھ نہیں یہ دریافت کرنا ہے کہ تم اپنے جانب سے کہتی ہو یا اس کی طرف سے جو بیشتر میری حالت پر مہربانی کیا کرتا تھا۔

رادھی۔ اس وقت تو میں پوچھ رہی ہوں گو وہ کسی دوسرے کی جانب کیوں ہو۔
موہن۔ تو میں تمہارا جواب دیتا ہوں کہ زندہ ہوں۔
رادھی۔ کیا صرف میرے لئے آپ اچھے ہیں۔ اور اگر کوئی دوسرا پوچھتا تو شاید آپ اسکے بالعکس جواب دیتے۔
موہن۔ بیشک رادھی۔ مجھے کوئی چیز پیاری نہیں ہے سوا؟
رادھی۔ سوا۔ کیا کہا آپ نے۔
موہن۔ زیادہ تاویل کی ضرورت نہیں تم خود جانتی ہو۔
رادھی۔ (مسکرا کر) یہ آپنے کیا کہا کہ جو میری حالت پر مہربانی کرتا تھا۔
موہن۔ کیا تم نہیں سمجھیں۔
رادھی۔ مطلق نہیں۔
موہن۔ کیا میری پیاری میری حالت پر اب بھی مہربانی کرتی ہے؟
رادھی۔ ضرور پہلے سے زیادہ۔

جدائی جتنی ہوتی ہے محبت بڑھتی جاتی ہے

موہن۔ نہیں رادھی۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ آہ۔ اب تو وہ شاید خیال کرتی ہونگی میں مرجاؤں تو بہتر ہو کیونکہ میں قصوروار ہی ایسا ہوں۔
رادھی۔ نہیں۔ نہیں۔ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ میری مالکہ کا ہرگز ایسا خیال نہیں ہے یہ آپ سے کس نے کہا جسے آپ نے یقین کر لیا۔
موہن۔ (جیب سے خط نکال کر) دیکھو یہ خط ہے جو مجھکو ڈاک میں ملا تھا اسی نے میری ساری امیدوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اس کی غصہ بھری تحریر نے میری آتش شوق اور مایوسی دونوں میں ترقی دی۔ لیکن افسوس اسکے بعد پھر کسی نے یہ نہ پوچھا کہ موہن تم زندہ ہو یا مر گئے۔ تم قید ہو یا آزاد۔ آیا تم اس تحریر کے لائق ہو یا نہیں۔ میں نے کوئی قصور بھی کیا تھا یا محض تغافل شعاری سے یہ خط لکھدیا گیا تھا۔ رادھی اُن کی تو دل لگی ہوئی کہ کسی کشتۂ ناز کو تڑپا دیا۔ اور یہاں جان پر بن گئی۔
لیکن آہ اگر اُن کو میرے دلی حالت سے آگاہی ہوتی تو شاید وہ کبھی ایسا نہ کرتیں۔ تم میری

بات کا یقین نہ ہو کہ میں بیگناہ ہوں مجھے بیکار یہ غلط لکھا گیا میں نے تم لوگوں سے
چھوٹ کر کبھی چین یا آرام نہیں پایا۔ میں کسی گھڑی خوش نہیں رہا۔ ہائے میں کس جوش
سے ڈاکہ کیا تھا۔ میری امیدیں کس طرح اپنا دامن پھیلائے تھیں کہ اس چاند کے
ٹکڑے کو اپنے آغوش میں لے لوں مگر آہ اس تحریر نے میری ساری آرزوؤں کو غرق
دریائے حسرت کر دیا۔

جو میرا حال تھا بھلا انکو کیا معلوم انکو تو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ میں سچ مچ اُن کا
مکان لوٹنے کو آیا ہوں۔ میں اس مقام پر سچ کہتا ہوں کہ اگر نواب میرا سر بھی
جسم سے کاٹ لیتے جب بھی میں اپنی پیاری جمیلہ کے مکان کی طرف رُخ نہ کرتا۔
راد ہی جسکو دل دیا اوس کا دل دُکھانا یہ تو مردوں کا کام نہیں ہے میں اور اونیز
ایسی حرکت کا ذکر کرتا۔ کبھی خیال میں بھی اس کا ذکر نہیں آسکتا حسرت تو اسکی رہ گئی
کہ اگر وہ مجا تیں تو دل کھولکر اپنے عذرات پیش کرتا اور اپنی صفائی دیکر اُنسے
انہیں پر الزام لگاتا۔

میں دوسرے ہی کام کو بھیجا گیا تھا۔ گو مجھے یہ بھی حکم تھا کہ اگر موقع دیکھوں تو راج بیب
کا مکان لوٹ لوں مگر میں ایسا ہرگز نہ کرتا۔ تم نے سنا ہوگا کہ میں جیسی بیگم کے مکان کو لوٹنے
کے بعد بہت کم آدمی لیکر چلا تھا کہ اُنسے کسی طور سے ملاقات کروں۔

راد ہی۔ (اسکی تقریر سے متاثر ہوکر) نہیں نہیں بھلا آپکی نسبت کہ اگر میں نہ جاتی تو کبھی
آپ ہی نے انکے بہالی کی جان بچائی ورنہ کلکتہ کا قلعہ فتح کرنے کا منشا کیا تھا بھلا سراج
الدولہ کبھی زندہ چھوڑتا ہرگز نہیں۔

مومن۔ (کسیقدر شکر گذاری کے لہجہ میں) نہیں راد ہی اس میں ایک دوسری
ہی بات ہے۔ نواب کلیو کے کہنے کے قبل ہی اس کا خیال تھا۔ وہ کبھی گستاخ اس کو منزانہ
دیتا۔ اور اگر ایسا ہوتا بھی تو کوئی خفیف سزا محض چشم نمائی کے طور پر۔ نواب کو خدا سلامت
رکھے انہوں نے اس معاملہ میں میرا بڑا خیال کیا۔

رادھی۔ آخر وہ کونسی بات ہے کہ جس سے نواب آپ سے اس قدر محبت
رکھتے ہیں۔

مومن۔ راد ہی اسکو جانے دو میں تم سے کیا کسی سے اس امر کو ظاہر نہیں کر سکتا۔

موہن اپنی بات کا دھنی ہے وہ قول دے چکا ہے کہ کسی سے اس راز کو ظاہر نہ کرے گا۔ تم خود عقلمند ہو اسکے دریافت کرنے میں زیادہ کد نہ کرو ورنہ میں جھوٹھا اور پیماں شکن مشہور ہو جاؤں گا۔

رادھی۔ ہاں یہ آپ کلکتہ کیوں گئے تھے جو قید کر لیے گئے۔

موہن۔ تم اس وقت ایسی باتیں کر رہی ہو کہ گویا جانتی ہی نہیں۔ بھلا کلکتہ جانے سے میرا اور کوئی مطلب نکلنے والا تھا سوائے اسکے کہ میں اپنی پیاری چمپا سے ملنے گیا تھا اسکے چہرہ کی زیارت منظور تھی۔ ہاتھ جوڑ کر قصور معاف کراتا اور وہ مہربانی کرکے اپنا کدر دل سے مجھسے معاف کر لیتیں (آبدیدہ ہوکر) کیوں رادھی انکو میرا کچھ خیال ہے میری تکلیفیں سُنی تو ہونگی۔ کچھ افسوس بھی ہوا یا نہیں!

رادھی۔ حضور کا یہ فرمانا بیجا ہے جس روز انہیں یہ خبر معلوم ہوئی کہ آپ قید کئے گئے تو کئی روز غم سے کھانا نہیں کھایا۔ ہردم منہ لپیٹے پڑی رہتی تھیں اور جس روز یہ معلوم ہوا کہ آپ زندہ ہیں اور رہائی ہوگئی اُس روز وہ بہت خوش اور بشاش تھیں۔

موہن۔ رادھی یہ کیا تم سچ کہتی ہو یا صرف میرا دل خوش کرنا ہے۔

رادھی۔ بھلا جھوٹھ بولنے سے مجھے کچھ مل جائے گا۔

موہن۔ (خوشی سے مسکرا کر) تو پھر اب وہ مجھسے ناخوش تو نہیں ہیں۔

رادھی۔ ذرا بھی نہیں جس روز سے سُنا ہے کہ آپنے گنگا داس کی سفارش کی اور آپکی وجہ سے خلعت عطا ہوا اُس وقت سے آپکی بہت احسانمند ہیں اور ہر وقت یاد کیا کرتی ہیں۔ مگر موقع نہ ملا کہ خط و کتابت یا ملاقات کر سکتیں۔

موہن۔ تو کیا آج تم کوئی خط انکے نازک ہاتھوں کا لکھا ہوا لائی ہو۔

رادھی۔ آپ یہی خیال کرکے خوش رہیں۔

موہن۔ تو میں اس مبارک گھڑی کی قدر کرتا ہوں جس میں میں نے اپنی روٹھی ہوئی دلربا سے رضامندی کی خبر سنی۔ کیا سچ کوئی خط لائی ہو۔

رادھی۔ کہتی تو ہوں کہ ہاں لائی ہوں (آنچل سے کھولکر) دیکھئے یہ کیا ہے۔

موہن۔ (خوشی سے اچھلکر) تو واقعی میں بدقسمت نہیں ہوں۔ میری امیدیں بر آئیں اور میری دل رُبا مجھسے راضی ہو گئی۔ میرا رنج دفع ہو گیا (خط ہاتھ میں لیکر) سچ کہو یہ میری چمپا نے

لکھا ہے یا محض میری تسکین کی غرض سے کسی اور سے لکھوالائی ہو۔
راؤ جی۔ سب اِس میں آگے پیش کیوں ہو۔ کئی مرتبہ تو لکھ چکی ہیں۔ آپ اُنکا خط
پہچانتے ہیں اُسی سے ملا لیجئے کہ کس نے لکھا ہے۔
موہن نے بڑے ہی اشتیاق سے خط کھولا۔ اُس وقت اُسکے خیالات بالکل ہی اِس خط
کی طرف تھے۔ اُس نے خط کھولکر پہلے چوما پھر آنکھوں سے لگایا۔ اور پھر محبت کی نظروں سے
اُس کی عبارت پڑھنی شروع کی۔

خط

پیارے موہن۔
تم کو خدا ہمیشہ خوش رکھے۔ خفا تو ضرور ہوئے ہو گے۔ کیونکہ جو خط میں نے بیشتر لکھا تھا
اُس میں سراسر وہ الفاظ تھے جو تمہارا دل دکھانے کے لئے کافی تھے۔ اِس لئے کہ تم اپنے
دانست میں اپنے کو بیگناہ تصور کرتے تھے۔ مگر موہن پوچھو کیوں؟ تم کو یہ خیال تھا کہ بلا [illegible]
کشندا اس کا مکان لوٹو۔ اِس غرض سے نہیں کہ تمکو اُن سے عداوت تھی بلکہ مالک کی اطاعت
کی وجہ سے جو تمہارا فرض تھا اور ہے۔ میں اِس سے خوش ہوں کہ تم کو اپنی بات کا
لحاظ رہتا ہے۔ لیکن کیا تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ پیشتر سے مطلع کر دیتے۔ نواب کے
ظلم کچھ کم مشہور نہ تھے کہ ہم کو تمہارے آنے کی خبر سنکر خوف نہ پیدا ہو جاتا۔ نہیں سوچو
جب نواب نے میرے باپ کو مرشدآباد میں گرفتار کر لیا تھا۔ تو کیا اُس نے میرے
گھر لوٹنے کا حکم نہ دیا ہوگا۔ بیگم صاحبہ اور میرے مکان کا لوٹنا یہی دو کام تھے جسکے لئے
تم بھیجے گئے تھے۔ پہلا کام تو تم نے انجام دے لیا تھا اور دوسرے کے لئے چلے تھے
لیکن ہم لوگ پہلے ہی سے خبر پاکر قبل اسکے کہ تم ہم تک پہنچو کلکتہ روانہ ہو چکے
تھے۔
فوج کا دوسرے شہر میں آنا ضرور ہی خوف پیدا کر دیتا ہے اور نہ کہ اِس حالت میں
باپ کے مال کی ضبطی کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ مجھکو اور میرے بھائی کو ضرور خوف تھا
اسی وجہ سے میرے بھائی کے لئے اِس سے بہتر کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ کلکتہ
چلا جائے۔

مجھ کو چو خط لکھا گیا تھا وہ صرف اس غرض سے کہ تم تھوڑی دیر کے لئے افسوس کرو لیکن تحریر سے مطلع کر دیا میں جانتی ہوں کہ تم کو میری بیٹی سے محبت ہے اور اس نے تمہارے سوائے کسی دوسرے کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی تھی میری بیٹی تمہارا بہت شوق ہے اور ہر طرح تمہاری خواہش پوری کرنے کے لئے موجود ہے۔ تم کو یہ بہت اچھا موقع ہے کہ اپنی دلی خواہش کا اظہار بذریعہ خط کے کرو۔ اور اگر تکلیف نہ ہو تو ضرور آؤ۔

راقمہ۔ تمہاری پیاری بیٹی

جو حال موہن لال کا اس خط کو پڑھکر ہوا ہوگا۔ اور جو مسرت کہ اسکے دل میں ہوئی ہوگی اس کا اندازہ تو وہی ہو سکتا ہے جسکو ایسی باتوں سے سابقہ پڑا ہو۔ کچھ دیر تک وہ بیچ سے اس خط کو نہایت محبت و شوق کی نگاہوں سے دیکھا۔ جو پیشتر ہی سے اس خط کے مضمون سے مطلع ہو چکی تھی اس سے کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی سوا اس کے کہ وہ آنے کا وعدہ لیکر چلی جائے۔ غرض موہن لال نے پکا وعدہ کر دیا۔ جسکو وہ لیکر اور چلی گئی۔ موہن نے اس سے اتنا کہدیا ہے کہ میں تین بجے دن کا دروازہ کھولدینا۔

اس وقت کی خوشی ایسی نہ تھی جسے موہن برداشت کر سکتا اس نے دل ہی دل میں بھگوان کی اس محبت کا شکریہ ادا کرنا شروع کیا۔ اور پھر وہ اپنے باغ میں چلا گیا۔ اور شوق دید میں گھڑیاں گننے لگا۔

تیرھواں باب

فرمان

دیکھ لو اشک تو اثر کو نہ پوچھو میرا حال
چپ رہو چپ رہو بزم میں غماز آیا

شاہی محل سے کچھ ہی دور ایک عالیشان مکان ہے جہاں اس وقت بہت بڑا مجمع ہے اور سیکڑوں آدمی جمع ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ لوگ اس جگہ کیوں اور کس کی وجہ سے جمع ہوئے ہیں۔ انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید کسی اہم مسئلہ پر رائے دیجائے گی۔

کیونکہ نواب کا ظلم اب بہت بڑھ گیا ہے وہ اس قلعہ کی فتح سے اور بھی شیر ہو گیا ہے۔ دیکھئے اس مجمع میں وہی لوگ ہیں جو صوبہ دار علی وردی خاں کے زمانہ میں نہایت معزز عہدوں پر ممتاز تھے۔ اور ہم اب نواب سراج الدولہ کی اس عیش پسندی سے دربار سے علحدہ کر دئے گئے ہیں۔ اسی پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ اکثروں کا مال و اسباب بھی ضبط کر لیا گیا اور وہ خورد و نوش کو محتاج ہو گئے۔

ان معزز عہدہ داروں کی علحدگی کی وجہ صرف یہ ہوئی کہ وہ نواب کی اُس بُری صحبت سے پرہیز کرتے اور اُن بدسرشت بگاڑنے والے مصاحبین کو کبھی کبھی اپنے ڈرانے والے الفاظ سے تنبیہ کرتے رہتے جس کا نتیجہ اُنکے لئے خراب ہوا۔ اُنہیں بدشعاروں نے نواب کو سکھا کے اُنکی طرف سے بدظن کر دیا۔

ان لوگوں نے اب مرشدآباد میں اس قدر ابتری دیکھکر ایک انجمن اس لئے قائم کی اُس میں نواب کے ناشائستہ افعال سے بچنے کی کوشش کیجائے اور ظلم و جور ملک سے بالکل دور کرائے جائیں تاکہ رعایا امن کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

افسوس ہے کہ ہم کو کسی تاریخ سے اس انجمن کے ممبروں کا نام نہیں ملا البتہ ایک شخص علی محمد نامی جو اس انجمن کا میر مجلس تھا اوسکا ذکر ملتا ہے۔ غرض جب کل اشخاص جمع ہو گئے تو صدر انجمن نے اُنکی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

علی محمد - حاضرین انجمن میں آپ لوگوں کا بدل مشکور ہوں کہ آپنے مجھے صدر انجمن مقرر کیا۔ اور اپنی تکلیفات کے بیان سننے اور فیصلہ کرنے کا سردار بنایا۔ مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا ہوں کہ اب ہم لوگ بالکل بے قابو کر دئے گئے اور وہ منصب جسپر ہماری روزی تھی اور اپنی گذشتہ مالک کی عنایت سے بہت دنوں سے مامور تھے ہمارے قبضہ سے نکل گئے۔ یہ کس کی وجہ سے ایک نوجوان ظالم جابر اور ناعاقبت اندیش کے ظلم سے جس نے بیگناہ حسین قلی خاں کا خون کیا۔ جس نے اپنے چچا نوازش محمد کے بیوہ کا مال لوٹ لیا اور اون کو شہر بدر کیا۔ جس نے شراب خواری اور بُری صحبت کو اپنا شیوہ قرار دیا ہے۔ اور جو خوشامدی مصاحبین کی باتوں میں پھنسکر ہماری نصیحتوں پر خیال نہیں کرتا۔ بھائیو دیکھو۔ ہمارا وطن مالوف مرشدآباد اب ہمیں کیسی ڈراؤنی شکلیں دکھا رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کچھ دنوں اس نواب کی یہی حالت رہی

تو بہت بڑا انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ ہمارا یہ زرخیز صوبہ کسی دوسرے کے قبضہ
میں چلا جائیگا۔

اب ہم کو بطور پیش بندی کے کچھ ترکیبیں سوجھنی ہیں۔ جو اُس آنے والی مصیبت
کا مقابلہ کریں۔ اور اگر مقابلہ نہ کر سکیں تو ہماری پوری طور پر محافظ رہیں۔ حاضرین جلسہ
سے میں اس امر میں مستدعی ہوں کہ وہ غور فرما کر رائے دیں اور اوسپر عمل درآمد ہو یہ
بلا ہمارے سروں سے دور ہو۔

اتنا کہکر یہ بیٹھ گیا۔ حاضرین دربار میں جوش کی عجیب کیفیت تھی۔ سبھوں کی آنکھیں اپنی
مصیبت زدہ حالت دیکھکر اور گذشتہ عیش و آرام یاد کر کے اشک بار ہو گئیں۔ دیر تک اس
صدمہ سے کسی نے کچھ جواب نہ دیا بالآخر ایک شخص نے یوں تقریر شروع کی۔

ضعیف العمر۔ مصیبت زدہ بھائیو اگر تم لوگ مجھ ضعیف کی رائے لینا چاہتے ہو تو
سمجھو جب تک ان تمام خاندان مصاحبین اور نواب کا ساتھ ہے اسوقت تک یہ
ہماری حالت فلاحیت پر نہیں آسکتی۔ کم بخت مصاحبین ہمیشہ اس صحبت کو ترقی دینگے
جسنے ہزارہا برائیاں پیدا ہونگی۔ بہتری کی یہی صورت ہے کہ یہ مصاحبین پہلے دربار
سے نکالے جائیں۔ کیونکہ جیسا ہم نے سنا ہے موہن لال نے بہت کچھ نصیحتیں اُسکی
برائیوں کے ترک کرنے کے لئے کیں مگر نواب نے کچھ خیال نہ کیا۔ یہی بڑی بات ہوئی کہ
اُس ظالم نے موہن لال کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کی شاید اوس کی فوجی قوت
کا خیال ہو۔ مگر ہم کیا کرسکتے ہیں ہم کس قابل ہیں۔ ذرا لب بھی نہیں ہلا سکتے پھر اگر ہم
لوگ یہ نہیں کر سکتے تو دوسری بات یہ ہے۔ کہ افسران فوج کو ملا کر انکی مدد سے
کام لیں۔

حاضرین۔ یہ تو کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ ہم اس کے مصاحبین کو دربار سے
علیحدہ کریں۔ اور فوجی افسروں کو ملانا یہ بھی بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ وہ سپاہی
ہیں اون کو ملکی انتظامات سے کیا مطلب اُنکے لئے تو میدان جنگ ہو جس میں
وہ لڑ بھڑ کر داد مردانگی دیں۔

ضعیف۔ تو پھر ہم لوگ کسی دوسرے سے مدد کے خواستگار ہوں۔

حاضرین۔ کس کی مدد۔

ضعیف۔ گو یہ سب جانتے ہیں کہ اب دہلی کی سلطنت بھی اس قابل نہیں کہ اسکا دباؤ
دوسرے پر پوری طور سے پڑ سکے کیونکہ وہاں کا انتظام خراب ہو رہا ہے مگر تاہم اس
موقع پر یہ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کسی دوسرے صوبہ دار کے لئے درخواست کریں اور
اس طرح یہ سراج الدولہ تخت سے اوتار دیا جائے۔

حاضرین۔ (کچھ غور کرکے) ہاں یہ تو ہو سکتا ہے۔

ضعیف۔ کیونکہ نواب اب دوبارہ ہوتا نظر نہیں آتا۔

ایک۔ کسی طرح نہیں مگر ہمارے کام کے لئے کون مستحق معلوم ہوتا ہے۔

ضعیف العمر۔ ایں۔ یہ کیا کہا۔

وہی شخص۔ یہ کہ کس کو نواب کے بعد تخت پر بیٹھا سکتے ہیں کیونکہ اب تو علی وردی خاں
یا کسی دوسرے گذشتہ صوبہ داروں کی اولاد میں کوئی لائق اور بہادر نظر
نہیں آتا۔

ضعیف۔ تو کیا ہمارے لئے شوکت جنگ بھی لائق نہیں ہے۔

وہی شخص۔ کون شوکت جنگ۔ نواب پورنیہ

ضعیف۔ ہاں وہی۔

حاضرین۔ کیا آپکو انکی حرکتوں کی خبر معلوم نہیں ہوئی۔

ضعیف۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ وہ بھی پرلے سرے کا عیاش اور شرابخوار ہے لیکن
جہانتک سنا گیا ہے وہ رعایا پروری اور انصاف میں نہایت اچھا ہے۔

راوی۔ ناظرین! شوکت جنگ کون ہے۔ یہ سید احمد صوبہ دار پورنیہ کا لڑکا ہے
جو علی وردی خاں کے ایک ماہ قبل مرا اور اپنے لڑکے کو حاکم پورنیہ مقرر کر گیا
جسقدر جواہرات اور روپیہ تھا وہ سب اسکے حوالہ کر دیا۔ شوکت جنگ نواب
سراج الدولہ کا چچا زاد بھائی ہے۔ لیکن وہ سراج الدولہ کے قبل سے صوبہ داری
کے عہدہ پر سرفراز ہو چکا ہے۔

حاضرین۔ بہرحال سردست یہی بہتر ہے کہ شوکت جنگ کی صوبہ داری کے لئے
کارروائی کی جائے۔

ضعیف۔ لیکن پہلے یہ سوچ لینا چاہیے کہ ہمارا اس نئے صوبہ دار سے کچھ تعرض تو نہ کیا جاوے

جائیں کیونکہ ضرور یہ خبر دہلی پہونچے گی۔
ایک شخص۔ تو کیا ہم یہ نہیں کر سکتے کہ ایک کرور روپیہ سالانہ خراج ادا کرنے کی گذارش کریں اور یہ تعداد یقیناً ہر سال پہونچ سکتی ہے۔
ضعیف۔ ہاں یہ رائے بہت اچھی سوجھی۔
سب کے مشورہ سے یہ بات طے پا گئی اور صدر انجمن نے بھی اسے منظور کیا کہ شوکت جنگ بلایا جائے اور دہلی ایک عرضداشت لکھکر روانہ کیجائے۔ اس درمیان میں جب تک وہاں سے جواب آوے وہ ایک مرتبہ حسبطور سے مناسب ہو سراج الدولہ کو بھی سمجھایا جائے اگر وہ اُن مصاحبین کو دربار سے جُدا کرکے اپنی چال چلن درست کرے تو اپنی جگہ پر قائم رکھا جائے۔ ورنہ طے شدہ رائے کے مطابق عملدرآمد ہو۔
غرض ایسا کیا گیا مگر سراج الدولہ کے سر پر ایسا بھوت سوار تھا کہ وہ کسی طرح نہ اُترنا تھا نہ اترا۔ ہم اس جگہ یہ کہیں گے کہ اس بُری صحبت کے لوگوں نے اپنے اقتدار کے زیادہ کرنے کے لئے بہت ہوشیاری سے کام لیا ہے اور چند اشخاص اس لئے مقرر کئے کہ وہ تمام شہر میں خبر لگاتے رہیں کہ نواب کے بارہ میں کیا مشورہ ہوتا ہے اور اگر کہیں ایسا ہو تو اُسے فوراً مطلع کردیں۔
اس کے ثبوت میں ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو ایک بحث کے وقت واقع ہوا۔ اس مقررہ انجمن میں داخل ہونے کے لئے ہر شخص کو ایک کاغذ دیا گیا تھا جسپر صدر انجمن کی مہر تھی اور جسے دکھا کر ہر شخص اس انجمن میں داخل ہوتا تھا جسے سنتری پہاٹک ہی پر لے لیتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی غیر شخص اندر نہیں آسکتا تھا۔ ایک روز ٹھیک انجمن کے وقت جبکہ لوگ جمع ہو چکے تھے اور سنتری پہرہ پر ٹہل رہا تھا۔ ایک شخص سامنے سے آتا دکھائی دیا جو ادہر اودہر دیکھتا چلا آتا تھا اور جس نے اس سنتری کے قریب پہونچکر نہایت گھبرائے ہوئے الفاظ میں پوچھا۔
آنیوالا۔ کیا تم اندر جانے دے سکتے ہو۔
سنتری۔ تمہارے پاس وہ مہری کاغذ ہے۔
آنیوالا۔ نہیں وہ راستہ میں کہیں اڑ گیا۔
سنتری۔ تو مجھے اس شخص کو جانے دینے کی اجازت نہیں ہے جسکے پاس وہ

مُہری کاغذ ہو۔

آنیوالا۔ تم کچھ لیکر مجھے جانے دوگے۔

سنتری۔ کیا میں تہوڑی سی لالچ کے لئے نمک حرام بنوں۔

آنیوالا۔ بہائی تو اوس میں مضائقہ ہی کیا ہے۔ مجھے تو تہوڑی دیر وہاں رہنا ہے افسوس ہے کہ وہ کاغذ کہو گیا ورنہ تمہاری خوشامد کیوں کرنی پڑتی۔

سنتری۔ بس ایک دفعہ کہدیا کہ ہم نہ جانے دینگے۔ کیوں بڑ بڑ کئے جاتے ہو۔

آنیوالا۔ (اندر کی طرف اشارہ کرکے) دیکہو وہ تو مجھے بلا رہے ہیں کہ جلدی آؤ۔

یہ سنکر سپاہی نے گردن پہیری تہی کہ اس آنے والے نے اپنے لبادے کے نیچے سے ایک لمبی اور تیز قردلی اوس کے پہلو میں ماری جس سے وہ زمین پر گرکے تڑپنے لگا صرف ایک مرتبہ تو آہ کی مگر پہر آواز نہ نکل سکی۔ اور دو تین مرتبہ تڑپ کر ٹہنڈا ہو گیا۔ یہ وقت تہا جبکہ بڑے زور شور سے گفتگو ہو رہی تہی۔ اور ہر شخص سرگرمی سے اپنی اپنی رائے دے رہا تہا۔ آنیوالا شخص اُس سنتری کو قتل کرکے فوراً ہی اندر داخل ہو گیا۔ لیکن اُس نے اتنی ہوشیاری کی کہ اوس سپاہی کی لاش پر اوسکا ایک کپڑا کہولکر ڈالدیا جسنے یہ معلوم ہوتا تہا کہ کوئی سو رہا ہے اس شخص نے انجمن کی تہوڑی سی کارروائیوں کو سُنا اور دل ہی دل میں غصہ کرکے رہ گیا کیونکہ وہ موقع اسکے بولنے کا نہ تہا۔ اور جیسے ہی یہ انجمن ختم ہوئی فوراً سب کے پہلے اُٹہکر چلا گیا کسی نے خیال بہی نہ کیا کہ یہ کون شخص تہا اور کیوں آیا تہا۔

اسکے جانے کے بعد اب اور لوگ بہی جانے لگے مگر اُنہوں نے دروازہ پر پہونچکر جو سانحہ دیکہا اُس سے اُنکی روح صلب ہو گئی یہ اوس سپاہی کا خون تہا جو تمام دروازہ پر پہیلا ہوا تہا اور جو تازہ معلوم ہوتا تہا۔

اس کے دیکہتے ہی سب کو ایک سکتا سا ہو گیا اور ایک نے دوسرے کی طرف دیکہکر پوچہا یہ خون کیسا ہے جو دروازہ پر بہ رہا ہے۔

علی احمد۔ (متوحش ہوکر) میں خود نہیں سمجہا کہ یہ کیا واقعہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنتری جو زمین پر پڑا ہے یا تو کچہ بیمار ہو گیا ہے یا کسی نے قتل کر ڈالا ہے۔

ایک۔ اس میں کوئی بات ضرور ہے جو ہم لوگوں کو معلوم نہیں۔ اور یہ وہی سنتری ہے جو آیند و روند کے دیکھنے کے لئے مقرر کیا گیا تہا۔ فرار دغا ہوئی۔ اور اب ہمکو بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔ بڑا دہوکہا کہایا۔

علی احمد۔ افسوس ہم لوگوں سے نے مطلق خیال نہ کیا۔ اب سخت مشکل کا سامنا ہونیوالا ہے۔

وہی شخص۔ اچہا اب زیادہ ٹہرنے کا موقع نہیں ہے۔ جلد بہاگئے۔ یہ یقیناً کوئی جاسوس تہا جو ہماری حالت دریافت کرنے آیا تہا۔ سنتری کے روکتے پر اس نے قتل کیا اور سب حالات دریافت کرکے چلا گیا۔

علی احمد۔ ہاں ضرور یہی ہوا۔

اتنا سنکر سبہوں نے قدم بڑہائے اور چہروں پر خوف طاری ہو گیا۔ تہوڑی دیر میں یہ مجمع پریشان ہو گیا اور جہ ہر جسکے دل میں آیا چلا گیا۔

چودہواں باب ۱۴

میر مدن

کوئی جھگڑا نہ کسی بات کا کھٹکا ہوتا
کاش اس عالم ہستی میں نہ پیدا ہوتا

اس وقت ہم اپنے ناظرین کو اوس مذموم صحبت کی طرف لیجاتے ہیں جس سے مرشدآباد میں تہلکہ ڈال رکہا ہے اور جس میں بجائے کمی کے روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے انصاف اور رعایا پروری کا نام نہیں۔ جہاں دیکہئے ظلم اور سختی کا برتاؤ کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نواب کی وہ بیہودہ صحبت کسی طرح سنوارے نہیں سنورتی شراب خواری اور عیاشی خوب دل کہولکر ہوا کرتی ہے۔

دیکہئے اس وقت بہی نواب سراج الدولہ اور اوس کے مصاحبین نشہ میں چور ہیں۔ سوائے دور شراب کے اور کسی بات کا چرچا ہی نہیں۔ سراج الدولہ ہی کا ایسا دماغ تہا جو وہ ایسی ناشائستہ باتیں سنکر بہی خوش ہوتا اور اپنی شان کے خلاف بہی دیگر ان مصاحبین کے خیال سے کچہ نہ کہتا۔ طرہ تو یہ تہا کہ اب اوسکے مصاحبین بالکل بے خوف ہوکر اکثر اوقات اوسکے

افعال پر نکتہ چینی کرتے ہے اگر آپکو یقین نہ ہو تو سُن لیجئے۔

نصیر۔ خداوند نعمت نے یہ اچہا نہیں کیا کہ گستاخ اس کو بلا کسی سزا کے رہائی دیدی۔ اس سے اور لوگوں کے دل سے بہی حضور کے خوف کے نکلجانے کا احتمال ہے۔ اگر ایسا ہی ہر شخص کے ساتھہ رعایت کا سلوک کیا جائیگا تو امورات ملکی میں فساد ہوگا۔

نواب۔ یعنی اوسکو سزا دیتا۔ کیوں۔

نصیر۔ اور کیا خداوند۔ اُس سے دوسرے بہی خوف کرتے۔

نواب۔ سبحان اللہ خوف کی کیا کہی۔ تم کیا جانو کہ کس لئے میں نے اُسکے ساتھہ رعایت کا برتاو کیا۔

نصیر۔ خداوند اگر میں واقف ہوتا تو ہرگز ایسا سوال نہ کرتا

نواب۔ (کسیقدر خفا ہوکر) تو کیا میں تم کو اپنی پوشیدہ باتوں سے بہی آگاہی دوں۔ خبردار اب یہ نہ کہنا۔ یہ میرا راز ہے۔ اس سے دوسرا واقف نہیں ہو سکتا۔

نصیر حقیر معافی کا خواستگار ہے۔ اب نہ پوچہے گا۔

ابہی اتنی ہی باتیں ہوئی تہیں کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور نواب کے سامنے آکر کہڑا ہو گیا۔

نواب۔ (گہبراکر) کیا ہے۔

آنیوالا۔ فدوی ایک بڑی خوفناک خبر لایا ہے جو حضور کے خلاف اثر پیدا کریگی۔

نواب۔ کیا ہے جلدی کہو۔

آنیوالا۔ آج حقیر نے ایک خبر سنی کہ اعلیٰ احمد کے مکان پر انجمن ہونے والی ہے اور وہاں وہ لوگ جمع ہوں گے جن کو حضور نے دربار سے علحدہ کرکے ملازمت سے برخواست کر دیا ہے۔

نواب۔ تو پہر تم نے کیا کیا۔

آنیوالا۔ خداوند نعمت وہاں بڑا اہتمام تہا۔ ہر شخص کے اندر جانے کا حکم نہ تہا۔ مگر میں نے سنتری کو قتل کر ڈالا اور انجمن میں داخل ہو کر ان کی کل باتیں سنیں جو سراسر نمک خواری کے خلاف تہیں جسے سنکر حقیر کو سخت وحشت ہوئی۔

راوی۔ ہم نے قبل اسکے ایسی غیر مہذب صحبت میں کبہی یہ خاموشی اور توجہ نہ دیکہی

جیسی کہ اس شخص کے بیان پر ظاہر ہو رہی ہے۔ ہر شخص نہایت غور سے سُن رہا ہے اور کہنے والے کے گبھرائی ہوئی باتیں نہایت اثر کر رہی ہیں۔ نواب کے چہرہ سے بھی پریشانی پائی جاتی ہے اور وہ بھی گبھرا گبھرا کر استفسار کر رہا ہے۔

نواب۔ ہاں آگے بیان کرو۔

آنیوالا۔ پہلے حضور مجھے آزادانہ گفتگو کرنے کی اجازت دیں۔

نواب۔ ہاں ہاں تم بے خوف ہو کر صاف صاف بیان کرو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔

آنیوالا۔ انجمن اس واسطے منعقد ہوئی تھی کہ ملازمت سے برطرف شدہ لوگ اپنی اپنی حالت کے بارے میں بحث کریں۔ اُنکے نزدیک ملک میں آجکل بہت بڑی بدانتظامی پھیل گئی ہے جسکے دفعیہ کے لئے وہ دوسرا حاکم مقرر کرنا چاہتے ہیں۔

نواب۔ (چونک کر) ایں یہ کیا کہا۔

آنیوالا۔ میں نے اونکو کہتے سنا کہ حضور بُری صحبتوں میں مشغول ہونے سے ملک کا انتظام کچھ بھی نہیں کرتے ظلم اور سختی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ لہذا آپ کو تخت سے علحدہ کر کے شوکت جنگ کو صوبہ دار مقرر کریں اور اس لئے ایک عریضہ دہلی روانہ کیا گیا ہے جس میں علاوہ اسکے یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ہر سال ایک کروڑ روپیہ دہلی بھیجا جائے گا۔

نواب۔ کیا یہ سچ کہہ رہے ہو۔

آنیوالا۔ ہاں فدوی وہیں سے آرہا ہے جلسہ ختم ہوتے ہی کو تھا کہ حقیر فوراً روانہ ہو گیا اور خدمت عالی میں حاضر ہوا۔ کیا عجب ہے کہ وہ لوگ ابھی وہیں ہوں۔

ان باتوں نے نواب کے دل پر عجب خوف کا عالم طاری کر دیا۔ اور وہ دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتا رہا لیکن افسوس ہے کہ اس بُری صحبت اور شراب کے نشہ نے اُسے اپنے پرائے پر غور نہ کرنے دیا۔ اور انہیں اوباشوں سے مشورہ کرنے لگا۔

نواب۔ نصیر کچھ تم نے سنا۔ یہ تو بڑی آفت ہوئی۔ مجھے واللہ اس کا خیال ہی نہیں تھا۔

سراج الدولہ کی اِس بات سے نصیر کی جان میں جان آئی۔ اور بڑے اطمینان سے

یوں گویا ہوا۔

نصیر۔ ہاں خداوند قابل خوف تو یہ بات ضرور ہے۔

نواب۔ پھر کرنا کیا چاہئے۔

نصیر۔ حضور کے جانب سے لوگوں کے دلوں میں بُرے خیالات پیدا ہوگئے ہیں مگر انکے نکالنے کی بھی آسانی سے فکر کیجائے گی۔

نواب۔ ہاں اس میں غفلت نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ ملک میں بدنظمی کا پھیلنا اچھا نہیں۔ ایسے موقع پر دادا جان کو دیکھتا تہا کہ وہ بڑی مستعدی سے کام لیتے تھے مجھے بھی اب ویسا ہی کرنا چاہئے۔

نصیر۔ حضور آرام فرماویں اس میں بہت جلد کوئی ترکیب کردیجائے گی۔ انشاء اللہ اس انجمن کے لوگ گرفتار ہوکر سزا پائیں گے۔

نواب۔ نہیں اس بات سے کچہ نہ ہوگا اور بھی لوگوں کے بُرے خیالات پیدا ہوجائیں گے۔

نصیر۔ پھر خداوند آپ ہی سوچئے

نواب۔ ہم اُسی بات پر کیوں نہ چلیں جس سے کوئی خدشہ نہ پیدا ہو۔

نصیر۔ یہ فقرہ حقیر نے نہیں سمجھا۔

نواب۔ یعنی یہ رائے لوگوں نے میرے چچازاد بھائی شوکت جنگ کے لئے قائم کی ہے بہتر ہوگا کہ اُسی کے برطرف کرنے کی فکر کیجائے۔

نصیر۔ یعنی یہ کہ بندگان عالی اُس سے لڑنے کے لئے مستعد ہو جائیں۔

نواب۔ ہاں سوائے اسکے اور کیا ترکیب ہوسکتی ہے۔

نصیر۔ یہ تو ظاہر ہے کہ شوکت جنگ کی قوت حضور کے مقابلہ میں کچہ بھی نہیں اگر جنگ کے قبل کوئی ترکیب ایسی کیجائے جس سے وہ خود صوبہ داری کو منظور نہ کرے تو پھر کیا ضرور ہے کہ تکلیف اوٹھائی جائے۔

نصیر۔ یہ رائے بہت انسب ہے۔

نواب۔ بلاؤ میر مدن کو۔ یہ خدمت میں اُسی کے سپرد کردوں گا۔

تھوڑی دیر گذری تھی کہ نوجوان میر مدن جو ایک لائق فوجی افسر تہا اور جو عمر میں

تخمیناً تیئیس سال کا ہوگا دربار میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے آداب بجالایا۔
خدا معلوم میر مدن کی صورت میں کیا تھا کہ اس کے سلام کرنے پر نواب کے چہرے سے پورا انتشار ٹپکنے لگا۔ میر مدن سپاہی آدمی بھلا وہ ان الجھنوں کو کیا جانے کہ کس کے چہرے سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اپنے مقررہ مقام پر بیٹھا ہے کہ نصیر نے جھک کر اسکے کان میں کہا۔

نصیر۔ کہو یار اگر منہ میٹھا کراؤ تو تمہیں ابھی ایک عہدہ جلیلہ پر ممتاز کرادوں۔

میر مدن۔ کیسا عہدہ کیا میں کسی جنگ پر بھیجا جاؤں گا۔

نصیر۔ نہیں ابھی تو جنگ نہیں ہے مگر ایک کام تمہارے سپرد کیا جائیگا۔

میر مدن۔ دیتوریوں پر بل ڈالکر تمہاری گول مول باتوں نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ صاف صاف کہتے کیوں نہیں۔

نصیر۔ جناب آپ تو جامہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔ قبلہ خوش ہونے کی بات ہے کہ حضور عالی نے اپنے ایک خاص کام کی انجام دہی کے لئے بلایا ہے۔

میر مدن۔ جناب آخر اوسکا کچھ نام بھی ہے۔

نواب۔ میر مدن۔ میں تم کو ایک کام سپرد کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم اُسے مناسب طریقہ پر انجام دوگے۔ وہ یہ ہے کہ تم پورنیہ جاؤ میں تم کو وہاں کا صوبہ دار مقرر کرتا ہوں۔ اگر شوکت جنگ نے خوف کہا کر میرا کہنا مان لیا تو خیر ورنہ ضرور اُس سے جنگ کیجائے گی اور اوسکی جگہہ تم مستقل صوبہ دار سمجھے جاؤ۔

میر مدن۔ میں اپنے مالک کے کام کے لئے بخوشی مستعد ہوں۔ اور بفضل خدا سے اوسکو انجام بھی دوں گا۔

نواب۔ ہاں تم سے ایسی ہی امید ہے۔

میر مدن۔ کیا میں اسکے پوچھنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ کیوں ایسا کیا گیا۔

نواب۔ اس لئے کہ چند لوگ بغاوت پر مستعد ہیں اور شوکت جنگ کو تخت بنگالہ پر بٹھانے کی صلاح کر رہے ہیں۔

میر مدن۔ میرے خیال میں شوکت جنگ کے دبلنے سے یہ لوگ خائف نہیں ہو سکتے نہ تو اس سے اُن کی طبیعت حضور کی طرف راغب ہوگی اور نہ محبت پیدا ہوگی۔ اور

کیا عجب ہے کہ جب ایسی حالت رہی تو ہمیشہ ایسے ایسے بکھیڑے ہوتے رہیں گے۔ اور بار بار بندگان عالی کو ایسی ہی دقت اُٹھانی پڑے گی۔ اگر حضور عالی حقیر کی رائے ناقص پر عمل کریں تو پہلے اُن بیچاروں کی پرورش کا سامان کیا جائے اور اُن کی مصیبت اور تکلیف کے وقت ادنیٰ رحمت کرکے تسلی اور تشفی کیجائے جس سے ہمیشہ کا فساد موقوف ہو جائے۔

نواب۔ اچھا یہ تو کوئی ایسی مفید بات نہیں ہے جس پر سر دست بحث کیجائے اور رائے زنی ہو اسپر بعد کو غور کیا جائے گا۔ پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم جس کام پر مقرر ہوتے ہو اسکے لئے مستعد ہو یا نہیں۔

میر مدن۔ بھلا حضور فرماویں اور حقیر اُس میں عذر کرے میں انشاء اللہ ہر طرح سے شوکت خاں کو خوف دلاؤنگا۔ اور حضور ملاحظہ فرماویں گے کہ کیا نتیجہ ہوا۔

اتنا سننے کے بعد نواب کے حکم سے میر مدن کو رخصتی کا خلعت عطا ہوا۔ اور ہمارا نوجوان میر مدن اکڑتا ہوا دربار سے رخصت ہوا۔

پندرہواں باب ۱۵

دغا باز

دیکھو رقیب کو کہ وہ دور تک پہونچ گیا
میں بدنصیب دزار درِ جاں طلب رہا

گشنداس کا مکان موہن لال کے کیمپ سے تخمیناً دو میل کے فاصلہ پر ہوگا ہمارا دوست شب ماہ کی کیفیت دیکھتا ہوا سرور کے عالم میں چلا جا رہا ہے۔ گھوڑا بھی کلاں مونڈھ موڑ کر قدم اُٹھاتا ہے جس سے اپنی تیز روی سے تو تمام راستہ بہت جلد طے کر لیا۔

اب چمپا کا مکان صرف سو گز کے فاصلہ پر ہوگا۔ موہن لال نے اپنا گھوڑا روکا اور آہستہ آہستہ چلا۔ یہ مقام بالکل ویران سنسان ہے یہاں اسکو دور سے چاندنی میں کسی چیز کا سایہ نظر آیا۔ ایسی تنہا مقام پر یہ ایک خوف کی بات ضرور تھی مگر ہمارا ایسا در سپاہی ان باتوں سے کب ڈرنیوالا ہے۔ اُس نے اس کا خیال بھی نہ کیا اور اوسی

شوق کے ساتھہ آگے بڑھتا گیا۔
وہ سایہ اب قریب آنے لگا۔ اور جب کشنداس کا مکان ۲۰-۲۱ گز کے فاصلہ پر رہ گیا۔ تو وہ بالکل نزدیک ہو گیا۔ موہن لال نے پھر بھی اسکا کچھ خیال نہ کیا اور اُسی دھن میں آگے بڑھتا رہا۔ کیونکہ اُس کے شوق میں لمحہ بہ لمحہ ترقی ہوتی جاتی تھی اور جس محبت سے وہ اوس مکان کو دیکھہ رہا تہا اوسکا اندازہ موہن لال ہی کا دل کر سکتا ہے۔
اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سایہ درحقیقت کوئی شخص ہے جو ایک سیاہ لبادہ اوڑھے ہے۔ اور سیدھا موہن لال کے گھوڑے کی طرف جا رہا ہے۔ تو وہ بالکل قریب پہونچ گیا۔ اور جست کر کے گھوڑے کی پشت پر جا رہا اور اپنے لبادہ سے کوئی چمکتی ہوئی چیز نکالکر ہاتھہ میں لے لی۔ ابھی ہم حیرت ہی میں تھے کہ دفعتاً چاندنی میں خنجر کی چمک نظر آئی اور موہن لال کے چلانے کے ساتھہ ہی آہ کی آواز سنائی دی اور فوراً موہن لال گھوڑے سے گر گیا۔ زخمی موہن لال کے گھوڑے سے گرنے کے بعد وہی شخص یوں کہنے لگا۔
ظالم تو نے جس بیعزتی سے ہمیں نواب کی صحبت سے نکالا۔ جہاں ہم عیش میں زندگی بسر کرتے تہے اس کا یہی نتیجہ ہے۔ میں نے تو وہ ترکیب کی تہی کہ تو قلعہ کے قید ہی میں مر جائے۔ مگر تیری سخت جانی سے مجھے خود نکلنا پڑا۔ بس اب تو اپنی سزا کو پہونچ گیا۔ اس جنگل کے جانور تجھے نوچ نوچ کر کہا جائیں گے۔ اور تیری اچھی خاطر ہو گی۔ کم بخت چمپا سے ملنے آیا تہا۔ عروس اجل سے ہمکنار ہونا پڑا۔
محمد علی نے موہن لال کو مردہ سمجھکر اُسی طرح چھوڑ دیا اور خود چمپا کے مکان کیطرف چلا۔ دروازہ پر پہونچکر تین دستک دیں جنکے سنتے ہی دروازہ کھل گیا اور یہ اندر داخل ہوا۔ یہ چند قدم بڑھا تہا کہ ماہ وش چمپا نے آتے ہی محبت کے جوش میں اس کا ہاتھہ اپنے ہاتھہ میں لیلیا۔ کیونکہ اُس وقت وہ اپنے دلی جوش کو روک نہ سکی۔ ڈیوڑھی میں چونکہ اندھیرا تہا اس لئے ایک نے دوسرے کو نہ دیکھا۔ اور چمپا اس کو ساتھہ لئے ہوئے اپنے کمرہ میں چلی آئی۔ جہاں محمد علی نہایت متانت کے ساتھہ بیٹھا۔

لیکن اب چمپا کا رنگ اُس کی صورت دیکھتے ہی فق ہو گیا اور اُس کے چہرہ سے غم و الم کے آثار نمایاں ہو گئے۔ چمپا ضرور خوف زدہ ہوئی مگر اُس نے فوراً اپنے دل سے اس امر کا فیصلہ کر لیا کہ پیارے موہن پر کچھ آفت ضرور آئی۔ وہ یا تو کسی بلا میں پھنس گیا یا اسکو اس شخص نے دہوکا دیا۔ یہ خیال کر کے اُس نے عقلمندی سے کام لیا اور مہمانداری کے لئے ضروری باتیں انجام دیں اور اپنے چہرہ سے مطلق رنج کے آثار ظاہر نہ ہونے دئے۔

محمد علی۔ (کچھ دیر چپ رہنے کے بعد) چمپا میں تمہارا نادیدہ عاشق ہوں۔ تمہارا ذکر ایک روز دربار میں آیا اُسی روز سے میرے دل میں ایسی محبت پیدا ہو گئی کہ راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ شکر ہے کہ آج امید بر آئی۔

چمپا۔ کیا آپ کو کسی دوسرے کے گھر میں اس طرح چلے آنے میں خوف نہیں آیا

محمد علی۔ خوف تو ضرور آتا لیکن اس وقت میں نے وہ کام کیا ہے کہ جسکی خوشی میں مجھکو کچھ نیک و بد سوجھائی نہیں دیتا۔ اور یہاں تمہارے اشتیاق میں چلا آیا۔ اب جو چاہے سزا دو میں موجود ہوں مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔

چمپا۔ کیسا کام میں بھی سُن سکتی ہوں۔

محمد علی۔ وہ یہ کہ میں نے تمہارے پیارے موہن کو راستہ میں مار ڈالا۔

اتنا سنتے ہی چمپا کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔ چکر آنے لگا قریب تہا کہ وہ گر پڑے لیکن اُس نے فوراً اپنی یہ حالت زائل کی اور آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو چمپا ڈالا۔ ایک عورت ایسا نہیں کر سکتی جو چمپا نے کیا۔ یہ تو وہی شخص کا کام ہے جو بہت ہی بہادر ہو۔ آنکھیں تو جوشِ گریہ کے ضبط سے سرخ ہو جاتی ہیں مگر ممکن کیا کہ ایک قطرہ بھی مژگان سے باہر نہ آ سکے دل تو چاہتا ہے کہ خوب چیخیں مار مار کر روئے مگر واہ رے ضبط کہ مُنہ سے اُف تک نہیں نکلتی اور اوسی خون بھری آنکھوں سے ٹکٹکی لگائے محمد علی کی طرف دیکھ رہی ہے۔ جو خود بھی اسکو بڑی محبت سے دیکھ رہا ہے اور اوسکی آواز سُننے کا مشتاق ہے۔

چمپا۔ تو موہن بالکل مر گیا (چمپا نے مرنے کا نام تو لیا مگر کلیجہ پر چہری سی لگی)

محمد علی۔ امید تو ایسی ہے کیونکہ بڑا کاری ہاتھ پڑا تہا۔

چمپا۔ میں نے تو سنا تھا کہ وہ بہت بہادر ہے۔ اس نے تمکو زخمی نہیں کیا۔
محمد علی۔ جب اُسے وار کا موقع ہی نہ ملتا۔ وہ تو اسی طرف آ رہا تھا کوئی ۱۵۔۲۰ قدم پر ہو پڑا ہے۔
راوی۔ اتنا سنکر چمپا کے دل میں ایک اور چوٹ سی لگی۔ دل بے قرار ہوگیا۔ لیکن اوسپر بھی اس نے اتنا ضبط کیا کہ چلاکر نہ روئی البتہ دو ایک قطرے اشک کے پلکوں پر آ گئے جسکو اس نے بہت جلد اور اس طور سے خشک کر لیا کہ محمد علی نے بھی نہ دیکھا۔
چمپا۔ آپ کا نام
محمد علی۔ مجھے محمد علی کہتے ہیں۔
چمپا۔ میں نے بھی آپکا نام سنا ہے۔ نواب کے مصاحب ہیں نا۔
اس بات کے سنتے ہی محمد علی دل ہی دل میں کٹ گیا اور شرم سے گردن جھکائی چمپا موقع پاکر کمرے سے باہر آئی اور اس پھرتی سے دروازہ بند کر لیا کہ اوسکو کچھ کہنے کا بھی موقع نہ ملا دروازہ مقفل ہوگیا۔
ناظرین بیاری چمپا کی حالت اب ملاحظہ فرمائیے۔ وہ سیل اشک جو ضبط کی دیوار سے رُکے ہوئے تھے بہنے لگے اب اُس میں طاقت باقی نہ رہی اور چیخ اُٹھی جسے شکر رادہی بھی قریب آ گئی اور اُسے روتا دیکھکر پوچھنے لگی۔
رادھی۔ کیوں بی بی خیر تو ہے۔
چمپا۔ رادہی کیا پوچھتی ہو خاموش رہو۔ اور میرے ساتھ چلی آؤ۔
چمپا یہہ کہہ رہی تہی کہ کمرے سے آواز آئی ہر پیاری چمپا مجھے بند کیوں کیا ہے؟ میں گھبرا رہا ہوں۔
چمپا۔ (غصہ بھری آواز میں) آہ تو ظالم ہے۔ دیکھہ تو تیرا کیا حال ہوتا ہے پیارے موہن کو تو نے سخت تکلیف دی اور اب کہتا ہے کہ میں گھبرا رہا ہوں۔ اے رام میرا موہن زندہ ہو۔ اور اس ملعون کو اپنے ہاتھوں سے سزا دے۔ دیکھو تو ستیاناسی کو میرے گھر میں بید ہڑک داخل ہوگیا۔ اگر بابا گُسٹنداس ہوتے تو کیسا غضب ہو جاتا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ میں اپنی باغ میں تہی۔

اتنا کہکر پیاری ممیا روتی ہوئی راہبی کو ہمراہ لئے دروازہ کہولکر باہر آئی اور وہاں پہونچی جسجگہ زخمی سوہن کا گہوڑا اپنے مالک کی حالت کو غور کر رہا تہا۔ اور بالکل خاموش تہا اوسے دیکہکر دل کو عبرت ہوتی تہی۔ چپمانے اپنے پیارے عاشق کو خون میں نہایا ہوا دیکہا جلدی سے ناک اور سینہ پر ہاتہہ رکہکر کہا شکر ہے کہ سانس آرہی ہے اور پہر فوراً ہی راہبی کی مدد سے اوٹہا کر گہر میں لائی اور دروازہ بند کر لیا۔

سولہوان باب ۱۶

تمہاری یہی سزا ہے

مصنف

تڑپتے ہیں ترے قیدی نہ کچہ فریاد کرتے ہیں
ہوئے ہیں قید جسپر اُس خطا کو یاد کرتے ہیں

دیکہئے تو پورنیہ کی شاہی پختہ سڑک پر کس کا گہوڑا اُچہلا جاتا ہے۔ سچ کہئے کیسا خوبصورت جوان ہے اور چہرہ سے کسقدر رعب اور جلال ظاہر ہوتا ہے کہ آنکہیں نہیں ملائی جاتی ہیں۔ جسم کسقدر سڈول اور حسین ہے کہ بتان سنگ دل بہی دیکہکر شرمندہ ہو جائیں اس کی طبیعت میں کسیقدر شوق آرائش ہے مگر سادگی کا پہلو لئے ہوئے یہ اسوقت اپنی مونچہوں کو بل دے رہا ہے۔ مگر غرور کے ساتہہ نہیں۔ اس کی گوری رنگت دہوپ سے تمتما رہی ہے۔ بہری ہوئی لانبی گردن نہایت عمدہ طریقہ پر واقع ہوئی ہے۔ خمیدہ ابرو یہ بتلا رہے ہیں کہ سوائے شمشیر آبدار کے کسی دوسری شے سے مجہے نسبت نہ دینا۔

کیا آپ لوگوں نے پہچانا کہ یہ کون شخص ہے یہ وہی بہادر میر مدن ہے جو نواب سراج الدولہ کو نصیحتاً بہت سخت وسست اُس روز کہہ چکا ہے۔ اور آخر میں جسنے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر سراج الدولہ نے اپنی یہ عادت نہ چہوڑی تو اپنے ملک کی بہلائی کے لئے وہ ضرور اُس کے تخت سے اوتارنے کی کوشش کرے گا۔ یہ پورنیہ میں نواب سراج الدولہ کا خط لیکر آیا ہے اور شوکت جنگ کے محل کی طرف جا رہا ہے۔ لیجئے اب یہ اوس عالیشان محل کے دروازہ پر پہونچ گیا اور سنتری نے اپنے آنے

کی خبر کرائی۔ تھوڑی دیر میں وہ سنتری واپس آیا اور اوسکو لیکر اندر گیا۔ یہاں پہونچکر میر مدن نے کوئی نئی بات نہ دیکھی اور جو کچھ دیکھا اوسکے پہلے ہی نظر میں تاڑ لیا کہ یہاں بھی مرشد آباد کی طرح بری صحبت اور غفلت شعاری کی کمی نہیں ہے۔

میر مدن دربار کی اس حالت سے کچھ ایسا متنفر ہوا کہ تیوریاں چڑھالیں اور کچھ دیر تک اسکو یہ بھی خیال نہوا کہ وہ کہاں ہے اور اوسکو دربار کے آداب کے موافق کیا کرنا چاہئے وہ کسی کام کے لئے آیا ہے یا نہیں۔ وہ اس طرح کھڑا ہوا دربار کی حالت دیکھ رہا تھا کہ جیسے طرح کوئی اتالیق اپنے تابع فرمان حرکات پر غور کرے وہ یہ دیکھکر غصہ میں بھر گیا کہ شوکت جنگ معہ چند مصاحبین کے نشہ میں چور ہو رہا ہے۔

اسی طرح کچھ لمحوں تک کھڑے رہنے کے بعد چونکا اور ہر طرف دیکھکر نواب شوکت جنگ کیطرف بڑا است جھککر سلام کیا۔ اور اشارہ پاکر ایک طرف بیٹھ گیا۔ یہ بیٹھ کو تو بیٹھا مگر دل میں وہی نفرت انگیز خیالات پیدا ہو رہے ہیں اور یہ سوچ رہا ہے کہ ان صوبہ داروں نے سلطنت بھی کھیل سمجھ لی ہے۔ گویا وہ خدا کے سامنے کبھی اس غیر انصافی کے جواب دہ نہوں گے۔ بھلا انتظام سلطنت سے اور شراب خواری سے کیا تعلق .....

کہاں رعایا کی خبرداری اور انصاف کہاں شراب کی مستی اور تغافل شعاری افسوس ہے ان کو یہ بھی نہیں سوجھتا کہ گذشتہ صوبہ داروں کی کیسی سخت کوششوں سے یہ دن نصیب ہوا تھا جسے ہم یوں برباد کر رہے ہیں۔ بنگال کی تو یہ ابتر حالت ہو رہی ہے اور دہلی جو خاص دار السلطنت ہے وہاں بھی نفاق اور باہمی عداوت نے جاہ سلطانی کی کمر توڑ دی ہے اب وہاں بھی آرام طلبی سے کام لیا جاتا ہے کیا اچھا ہوتا اگر یہ اب بھی اپنی آنکھوں پر پڑے ہوئے غفلت کے پردوں کو اوٹھا دے اور اپنی آئندہ حالت پر نظر کرکے اس صحبت اور ناعاقبت اندیشی سے اجتناب کرتے۔ شاید اون کا خیال ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گے کوئی تغیر نہ ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا کیا اونہوں نے تاریخوں میں یہ نہیں دیکھا ہے کہ صدہا شاہان گذشتہ اپنی غفلت اور ظلم پسندی کے لئے تخت سے اوتار دئے گئے۔

طبقہ روم میں جسوقت یہ بلا پھیلی وہاں کی جنگی قوم نے ملک پر قبضہ کرلیا اور وہ

شوکت۔ تو پھر ایسے موقع پر اُسکا اظہار کرنا بھی حماقت ہے۔ تمہارا مطلب فوج
سے ہے نا۔ شاید تم نواب کے بہادر ملازموں میں ہو۔ جب ہی اُس نے تم کو
بھیجا ہے۔

میر مدن۔ (قبضہ پر ہاتھ ڈالکر) میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ سخت جملے سنوں
یاد رکھئے کہ گو میں یہاں تنہا ہوں لیکن اگر میرے مالک کے خلاف شان کوئی لفظ آپ
کے مُنہ سے نکلا تو تلوار نکالکر ہی اوسکا جواب دیگی۔ پھر میرا کچھ ہی حال کیوں نہو۔ ہم
سپاہی ہیں کبھی بھی فقرے سننے کے عادی نہیں۔ ہمارے کان ایسے الفاظ سے ناآشنا
ہیں۔ آپ خط کا جو چاہے جواب دیجئے میں اوسکو لیکر چلا جاؤں گا۔

اسکی جرأت پر درباریوں نے تیوری پر بل ڈالے۔ لیکن تھا کون جو اس کا جواب دیتا۔ یہاں
تو وہی خرابیہ مصاحبین تھے جو صرف زبانی جمع خرچ سے اپنے مالک کے لئے ہر وقت اپنا خون
گرایا کرتے ہیں۔ وہ جاں نثاری کو کیا جانیں۔

علاوہ اسکے میر مدن کی بہادری نے ان کے دلوں پر اپنا سکہ بٹھا دیا تھا اور سپاہیانہ
رعب نے سبھوں کی گردنیں جھکا دی تھیں۔ اس حالت کو میر مدن نے بھی دیکھا اور
اُن کی بزدلی پر دل ہی دل میں نفریں کرنے لگا۔ اب نواب شوکت جنگ نے
اپنے مصاحبین کی طرف اس لئے دیکھا کہ وہ اسے سخت کلامی کی سزا دیں مگر سب گردنیں
جھکائے رہے اور کسی نے اوسکے ارادے کو پورا نہ کیا۔ جس سے اُسکے چہرے پر غصے کے
آثار پائے جانے لگے۔ کچھ دیر تک تو وہ خاموش بیٹھا کچھ سوچتا رہا اور پھر اپنے اس خیالات کے
مٹانے کے لئے اوٹھکر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

میر مدن۔ (جاتے دیکھکر) حضور نے خط کا کچھ جواب نہ دیا۔

شوکت۔ (غصہ سے) ٹھہرو ملتا ہے۔

اتنا کہکر یہ چلا گیا۔ اور درباری اُسی طرح بیٹھے رہے۔ مختلف قسم کے خیالات اُن کے
دل میں آنے لگے مگر ہمارا بہادر دوست کب خوف زدہ ہو سکتا تھا۔ اوس نے اسکے
غصہ کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ جب وہ چلا گیا تو درباریوں پر اس نے دوسرے پہلو سے
اپنی دلی نفرت جو اس حال کو دیکھکر پیدا ہوئی تھی ظاہر کر دی اور پھر مجبوراً خاموش بیٹھا
رہا۔ چند دقیقے گذرے ہونگے کہ شوکت جنگ پھر کمرہ سے نکلا اور تخت پر بیٹھ گیا۔

لیکن اس مرتبہ اس کی نگاہیں میر مدن پر بڑی ہی تیزی کے ساتھ پڑ رہی ہیں چہرہ غصہ سے سرخ ہوا جاتا تھا۔ لیکن اوسیر بھی اسکے رعب اور بہادری نے کچھ ایسا خوف زدہ کر دیا تھا کہ خود ہی دانت پیسکر رہ جاتا تھا۔

شوکت جنگ۔ تمہاری اس بے ادبی کی کیا سزا ہونی چاہیے۔

میر مدن۔ کچھ بھی نہیں (نفرت انگیز ہنسی سے) کیا یہ آپ کے مصاحبین مجھے سزا دیں گے۔

شوکت۔ (شرناک) کیا یہ تمہاری سزا دینے کے قابل نہیں ہیں۔

یہ جملہ کسیقدر بلند آواز سے ادا ہوا جس نے یہ اثر دکھلایا کہ دو دروازوں سے چار چار سپاہی پشت کی جانب سے آکر میر مدن بیچارگی کی ٹوٹ پڑے اور فوراً ہاتھوں میں بیڑیاں ڈالدیں۔ اور وہی میر مدن جو ابھی آزادانہ طور سے گفتگو کر رہا تھا اب قیدی ہو گیا۔

کوئی اس وقت اس سے پوچھے کہ نواب کی اس حرکت سے اس کے قلب پر کیا حالت گذری ہے دیکھئے وہ کھڑا ہے اور اپنے لبوں کو غصہ سے چبا رہا ہے۔ اپنی تند نگاہوں سے شوکت جنگ کی طرف اس سلئے گھور رہا ہے کہ اگر میرا ہاتھ کھول دیا جائے تو ابھی اس بزدل صوبہ دار کا خون بہا دوں۔

میر مدن۔ (غصہ سے کرلے الفاظ میں) مجھے آپ کی بزدلی اور دغابازی کا ثبوت ملگیا۔

شوکت۔ تمہاری یہی سزا ہے۔

میر مدن۔ (زنجیر ملاکر اگر یوں کے یہ میرے پاؤں میں نہ ڈالدی جاتی اور میرے ہاتھ یوں بے قابو ہوئے ہوتے تو میں ان الفاظ کا مزہ چکھا دیتا۔

شوکت۔ (سپاہیوں سے) لیجاؤ میں اس بے ادب کی باتیں سننا نہیں چاہتا۔ کل اس کی سزا تجویز کیجاوے گی)۔

میر مدن۔ (چلتے وقت) میری گرفتاری یا قتل میرے مالک کی آزادی کو فسخ نہیں کر سکتا۔

شوکت۔ تو میں اس سے خائف بھی نہیں ہوں۔ ٹھہرو تمہارے ہی سامنے وہ ندان

شکن جواب ہی خط کا بھیجا جاتا ہے۔ یہ کہکر اُس نے منشی سے اشارہ کیا اور خط لکھا گیا

خط

سراج الدولہ تو اس قابل نہیں کہ کوئی تجھے سلام کرے۔ تو اس قدر غرور و نخوت کے نشہ میں سرشار ہے کہ اب تجھے کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ میں اس صوبہ داری کا مستحق ہوں اور میرے باپ نے فرمان شاہی منگا کر مجھے یہاں مقرر کیا ہے اسلئے مجھے کوشش کرنی پڑی کہ تو وہاں کا حاکم نہ رہے۔ اور اپنی بدکرداری کی سزا پائے۔

راقم۔ شوکت جنگ

یہ خط لکھا اپنے ایک مصاحب کے سپرد کیا اور ہمارا امیر مدن زنداں کی طرف چلا۔ یہ ایک بہت ہی تاریک کوٹھری تھی جس میں اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دیوار میں ہر طرف نوکدار لوہے لگے تھے۔ اور صرف اسی قدر جگہ تھی کہ ایک آدمی پیر پھیلا کر سو سکے۔ اس میں وہی قیدی قید کئے جاتے تھے جنپر صوبہ دار کا سخت عتاب ہوتا اور اونکے قتل کی سزا تجویز ہوتی۔ سپاہی دروازہ مقفل کر کے چلے گئے۔

دیر تک میر مدن اپنی حالت پر غور کرتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد اسکو زمین نظر آنے لگی اس نے دیکھا کہ اس قیدخانہ کی ایک طرف بڑا روشن دان ہے مگر اُس پر کوئی چیز پڑی ہے میر مدن آہستہ سے اٹھا اور دیوار میں لگی ہوئی لوہے کی سلاخوں پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھا۔ روشن دان کے منہ پر پڑے ہوئے پردے کو ہٹا کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں کیا تھا ایک فرحت بخش باغ ہے جس کی روشوں پر حسین حسین عورتیں گلگشت کر رہی ہیں۔ اس نے یہ دیکھکر خیال کیا کہ شاید کوئی زنانہ پائیں باغ ہے جو محل سے نزدیک ہے اور جس میں شوکت جنگ کی خاندانی عورتیں سیر کرنے آئی ہیں۔ اب میر مدن کو اپنی تنہائی کے غم غلط کرنے کا موقع ملا اور وہ اون مہوشان عالم کے حسن کی بہار نہایت شوق سے دیکھنے لگا۔ یہ اسی طرح دیکھ رہا تھا کہ ایک حسین کمسن عورت اس روشندان کی طرف بڑھی اور گلاب کے ایک درخت سے پھول توڑنے لگی۔ ہمارے سچے عاشق مزاج کو دل لگی سوجھی اوس نے اوس روشندان کے کنارے سے زور لگا کر ایک کنکر نکال کر

اور اوس عورت کو کھینچ ماری جو اتفاق سے اُسے لگ گئی اور وہ متعجب ہو کر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اور جب کوئی نظر نہ آیا تو اوس نے سر اوٹھا کر اوپر دیکھا تو وہ مسکراتی ہوئی جلد جلد قدم بڑھا کر اپنے ہمسنوں میں جا ملی اور کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔ کبھی کبھی کنکھی آنکھوں سے اسکی طرف دیکھ لیتی تھی۔ اب یہ سب عورتیں نہیں معلوم کیوں یہاں سے چلی گئیں اور باغ میں سناٹا ہو گیا۔

میر مدن اس وقت اپنی تنہائی اور بیکسی کے عالم میں بہت مغموم تہا اور اوسکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تہے اوسکا سُرخ و سفید چہرہ اس وقت تمتما گیا تہا۔ اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں کچھ ایسی سوچ اور رنج کے عالم میں معلوم ہوتی تہیں کہ جنہیں دیکھکر دوسرا بہی موثر ہو سکتا تہا۔ یہ سوچ رہا تہا کہ افسوس دل کی حسرت نکلنے نہ پائی۔ بے لڑے ہوئے دہوکے سے گرفتار کر لئے گئے۔ میر مدن اپنے اس خیال میں غرق تہا اور نہایت حسرت سے باغ کے پہولوں کو دیکھ رہا تہا کہ یکبارگی اسکے مُنہ سے آہ نکل گئی۔ اور مبہوت ہو کر خاموش ہو گیا۔ مگر اسکے بشرہ سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس کی یہ آہ کسی قید یا مصیبت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کسی روحانی درد سے بے چین اور مضطرب ہو کر اس نے آہ کی ہے۔ جس میں بالکل درد ہی درد بہرا ہے اور ممکن نہیں کہ جسے سنکر کوئی عاشق مزاج کلیجہ نہ تہام لے۔ اُسے مطلق اپنے مرویا اور قید کی تنہائی کا بہی خیال نہ رہا۔ وہ ہمہ تن چشم ہو کر باغ کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا۔

اخاہ۔ جب ہی تو اس کی یہ کیفیت ہو گئی ہے۔ دیکھئے وہ سامنے والے روشن ان پر ایک سراپا نور عورت اپنی کنیزوں کے ہمراہ کھڑی ہے۔ اور عجیب حیرت اور افسوس کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھ رہی ہے لیکن میر مدن کا اشتیاق ابہی پورا نہ ہوا تہا کہ اس کو وہ عورت دیکھکر شرمائی اور پیچھے ہٹ گئی۔ مگر اس کی اس پیاری ادا نے اور بہی ستم ڈہایا اور میر مدن نے رنج سے بہری ہوئی ایک دوسری آہ کی۔ جسکے ساتھ ہی چہرہ پر زردی چہا گئی اور پُر نم آنکھوں سے موتی کی طرح سفید سفید اشک کے قطرے اوداسی [illegible] اگر کسی ظالم [illegible] فراموش [illegible] گلشن [illegible]

تو کس جرم پر انکو سزا دی گئی۔ صورت سے تو شریف معلوم ہوتے ہیں۔

گلشن۔ (روشندان کے قریب آکر) نہیں کس جرم پر سزا دی گئی ہے۔

میر مدن بیشک خاموش اور حسرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ آخر گلشن نے دوبارہ کسیقدر بلند آواز سے پوچھا۔ یا اللہ کیا تم بہرے ہو۔ میں پوچھتی ہوں تم کیوں قید کئے گئے ہو۔

میر مدن۔ (رنجیدہ ہوکر) ہم اس کا کیا جواب دیں۔ آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

گلشن۔ ہائے بیچارے تم اچھے تھے۔ اسقدر کیوں روتے ہو۔

آہ خدا جانے یہ کس غضب کا جملہ تھا جس نے میر مدن کے چوٹ کھائے دل پر اور بھی صدمہ پہونچایا اور آنکھوں سے مسلسل آنسو بہنے لگے۔ نہایت تیزی سے ٹھنڈی سانس لینے لگا دم سینہ میں گھبرایا۔ سوز الفت کے گرم گرم بخارات سینہ سے اوٹھکر دماغ کی طرف چلے۔ سر چکرایا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ سنبھالا نہ گیا اور یہ بیہوش ہوکر قیدخانہ کی پختہ زمین پر گر پڑا۔ گرتے ہی زنجیروں کی جھنکار اور کچھ گرنے کی آواز نے قیدخانہ کے باہر نکلی اس حوروش کو بھی آگاہ کر دیا اور وہ یہ کہتی ہوئی اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ اے ہے گلشن دیکھو تو اس بیچارہ کا کیا حال ہوا۔ شاید صدمہ سے بیہوش ہو کر گر پڑا۔

سترھواں باب

قول و قرار

جان بھی لیجئے منظور دل رنجور ہی ہے
پر یہ فرمائیے وصل کبھی منظور بھی ہے

ناظرین! آپ لوگ اپنے دوست موہن لال کیلئے تو بہت گھبراتے ہوں گے کہ دیکھیں اس کی کیا حالت ہوئی۔ موہن لال کو اسکی پیاری چمپا رادھی کی مدد سے اٹھا کر اندر لائی اور ایک دوسرے کمرہ میں نہایت نرم بستر پر لٹا دیا۔ زخم پر ٹانکے لگوائے چمپا اسکے سرہانے بیٹھی اور پنکھا جھلنے لگی۔ تھوڑی دیر میں موہن لال کو ہوش آیا اور چمپا کو دوبارہ اس کے زندگی کی امید ہوئی۔ اوسی وقت سے یہ موہن لال کی تیمارداری میں موجود ہے چنانچہ اب کئی روز گذر چکے ہیں۔ طاقت آگئی ہے اور یہ اوٹھکر بیٹھنے لگا ہے۔ چمپا نے

موہن لال کے پاس رہتے گئے اپنے بھائی سے اپنی بیماری کا عذر کہلا بھیجا ہے جو ایک روز خود آکر اسے دیکھ بھی گیا ہے۔ باغ کا دروازہ ہر وقت اس لئے بند رہتا ہے کہ کسی وقت گستہ داس دھوکے میں آنہ جائے اور اس کی پوشیدہ کارروائی سے واقف نہ ہو جائے۔ محمد علی اُسی طرح قید ہے۔ اس وقت شب کے آٹھ بجے ہوں گے موہن لال بستر راحت پر بے خبر سو رہا ہے۔ چمپا اس کے قریب بیٹھی پنکھا جھل رہی ہے کہ اکبارگی آواز آئی۔ پیاری چمپا۔ میرا دل تنہائی سے گھبراتا ہے کیا تم نہ آؤ گی دیکھو کئی روز گذر گئے مگر تم نے یہ بھی نہ پوچھا کہ میں زندہ ہوں یا مردہ چمپا اس آواز کو سنکر سمجھ گئی کہ یہ محمد علی ہے اور اس نے رادھا کی طرف اشارہ کیا۔

رادھا۔ (قریب جاکر) رہ تو موئے دیکھ تیرا گلا گھونٹنے کی فکر کی جاتی ہے۔ اس کمبخت کو رحم ہی نہ آیا کیسے کاری زخم لگائے ہیں حبیب رہ۔

محمد علی۔ ہائے چمپا تم نے میری محبت کی قدر نہ کی۔ میں نے تمہاری محبت کے جوش میں یہ کیا۔

چمپا۔ (غضبناک آواز سے) ہاں مجھے بھی تمہاری بڑی قدر ہوئی۔ اور میں تم کو ہمیشہ کے لئے خوش کرنے کی فکر رہی ہوں اس لئے کہ میں تمہاری یہ تکلیف نہیں دیکھ سکتی۔

محمد علی۔ اگر تسکین ہی دینی تھی تو ایسے لہجہ میں کیوں کہا۔ اس سے تو خفگی پائی جاتی ہے۔

چمپا۔ شاید تم کو ابتک تمہاری حماقت نے کچھ فکر کرنے نہیں دی۔

محمد علی۔ کیا میں نہیں سمجھا۔

چمپا۔ صاف صاف سننا چاہتے ہو۔

محمد علی۔ ہاں ضرور۔

چمپا۔ لیکن اچھی طرح سے سمجھ لو کہ میرے الفاظ تمہیں ویسے ہی تکلیف دینگے جیسے قاضی کے فیصلہ کرنے والے الفاظ ایک قاتل کو مغموم کر دیتے ہیں اور وہ موت کی صورت دیکھنے لگتا ہے۔

محمد علی۔ تمہارے معشوقانہ انداز بھی کس قدر خونی ہیں۔ اچھا تم لکھو تو۔
چمپا۔ وہ یہ کہ تھوڑی ہی دیر میں صبح کو تم نواب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔
محمد علی۔ (گھبراہٹ کی آواز میں) نواب کے سامنے
چمپا۔ ہاں۔
محمد علی۔ کیا اس سزا پر کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔
چمپا۔ نہیں بلکہ اس لئے کہ تم ایک جیلخو رغا باز اور قاتل کی طرح سزا پاؤ۔
محمد علی۔ (زور سے دھمکانے کے لہجہ میں) او دغا باز عورت دیکھ محمد علی کا خون بالا بالا نہ جائے گا۔ یہ سمجھ لینا کہ اگر میرا ایک بال بھی میلا ہوا تو تیرا خاندان معہ موہن کے غارت ہو جائے گا۔
چمپا۔ (ہنس کر) پہلے تم تو بچارے موہن کے صدقے ہو جاؤ پھر دیکھا جائیگا۔
محمد علی۔ دیکھ چمپا۔ پچھتائے گی میرے مددگار روز آتے ہیں مگر موقع نہیں پاتے شاید اس وقت بھی ہوں اور وہ مجھے آن کی آن میں چھڑا لیجائیں گے۔ بہتر ہے کہ تو بھی میری طرح محبت کر اور موہن کا خیال چھوڑ دے۔
چمپا۔ کم بخت ابھی موت کو سمجھا رہا ہے۔ تیری باتیں ویسی ہی حماقت آمیز ہیں جیسے کوئی ملک الموت کو رشوت دینے کی خواہش کرے۔ میں اور موہن کا خیال چھوڑ دوں۔ جو میرے لئے قید ہوا۔ تمام دربار میں ٹھہرا ہوا۔ اور آخر میں تیرے ہاتھ سے زخمی ہوا۔ مگر شکر ہے کہ وہ میرے پاس ہے اور رہا ہے۔ میری زندگی اسکے دم کے ساتھ وابستہ ہے۔

اتنا سنتے ہی محمد علی نے بڑے زور سے آواز دی۔ اسکے چلاتے ہی باہر سے کچھ لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں آنے لگیں اور ساتھ ہی محمد علی نے چمپا سے کہا۔

محمد علی۔ چمپا دیکھ پچھتائے گی محمد علی کے مددگار آگئے۔ اور اب وہ چھوٹا چاہتا ہے۔
چمپا۔ (گھبرا کر) ادہر دیکھ تو کون آیا۔ مگر دروازہ نہ کھولنا۔ اوپر کی کھڑکی سے دیکھ رادہی ابھی گئی۔

اتنا کہکر رادہی دوڑی ہوئی اوپر گئی اور پھر فوراً ہی گھبرائی ہوئی اسکے پاس واپس آئی

چمپا۔ کیوں گبھرائی کیوں ہے۔
راد ھی۔ حضور ایک شخص دیوار پر چڑھ رہا ہے اور کئی آدمی نیچے کھڑے ہیں۔ جو اوپر آرہا ہے اُس کے ہاتھ میں ایک رسّی ہے۔ اور شاید اسی کے سہارے پر وہ چڑھ رہا ہے۔
رادھی کے بیان تک تو وہ چپ رہی لیکن اس کے بعد یہ فوراً ہی اُٹھی اور ایک طرف چلی گئی اور جب یہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی جسے یہ میان سے نکال چکی تھی۔ اس کے چہرہ پر ویسا ہی اطمینان تھا جیسا کہ کسی جرنل کو جنگ کے وقت ہوتا ہے۔
جس طرف آہٹ معلوم ہو رہی تھی چمپا وہیں جاکر خاموش کھڑی رہی کہ چڑھنے والے نے کھڑکی ادھر گردن نکالی اور اوپر آنے کا قصد کیا مگر ساتھ ہی نہایت پھرتی سے چمپا کا اٹھا ہوا ہاتھ پڑا اور وہ چیخ کے ساتھ ایک دھکا کھا اور وہ نیچے گر پڑا۔ افسوس ہے کہ ہاتھ اوچھا پڑا ورنہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔
چمپا پر اس وقت کچھ نشہ سا چڑھ گیا تھا۔ اسکی ابروؤں کے خنجر میں غیر معمولی جنبش پیدا ہوئی اور گلابی رخساروں پر سرخی دوڑنے لگی۔ اس کی تلوار میں بھرا ہوا خون جو اس وقت اسکا اور بھی بہادر بنا رہا ہے جیسے غصہ میں یہ دیکھ رہی تھی۔ موہن کی محبت میں کھڑی ہوئی اس بات کا انتظار کر رہی تھی کہ کوئی اور آئے تو اوس پر بھی ہاتھ صاف کیا جائے۔
چمپا۔ رادھی جھانک کر دیکھو تو کہ اب کیا ہو رہا ہے۔
رادھی۔ نیچے دیکھا اور ان سبھوں سے مخاطب ہو کر نالائقو۔ یہ سمجھ لینا کہ تم نے اوپر کا قصد کیا اور تمہارا مردہ دھڑ نیچے تڑپتا ہوگا۔ یہ نہ سمجھنا کہ تم اپنی کوشش میں کامیاب ہو گے اور ہم یوں ہی بیٹھے دیکھا کریں گے۔
رادھی کے یہ الفاظ خدا جانے کیسے تھے کہ اُن سب پر از حد خوف طاری ہوا اور وہ سب اوس زخمی کو جو غالباً مر گیا تھا اٹھا کر جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ رادھی نے کوسنا شروع کیا۔
چمپا۔ (محمد علی کے سنانے کے لئے باہر ہی سے) بےغیرت مجھے ناز تھا جو تیری مدد

کو آئے تھے دیکھ وہ بھاگے جاتے ہیں۔ تیرے مددگار کیسے بزدل تھے کہ جنہیں موہن کی دلدادہ چمپا نے بھگا دیا۔

محمد علی سے اسکا جواب کچھ نہ ہوسکا اور چمپا سے چھوڑکر پھر موہن کے پاس آئی۔ زخموں پر اپنے ہاتھ سے مرہم لگایا اور آہستہ آہستہ پنکھا جھلنے لگی۔ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی افسوس پیارے موہن کے چہرہ پر کسقدر ضعف اور نقاہت معلوم ہوتی ہے۔ ظالم نے کیسے گہرے زخم لگائے تھے جس سے تمام جسم کا خون جو اوسکے حسن کا باعث تھا بہہ گیا۔ اور اگر میں کچھ دیر اور نہ پہونچ جاتی تو میرے پیارے کا جانے کیا حال ہوجاتا اور میں کسی طرح زندہ نہ رہتی زہر کھا لیتی اور راوسی کے پاس پہونچ جاتی۔ دیکھو تو اوس بدسرشت محمد علی کا اوس نے اپنے مددگار بھی پوشیدہ طور پر لگا رکھے تھے یا جس سے اوسکا یہی مطلب ہوگا کہ اگر موہن لال سے لڑائی اوتھ جائے تو وہ عین وقت پر اوس کی مدد کریں اور اوسے بچالیں۔ خیریت ہوئی کہ جس وقت میں پیارے موہن کے اٹھانے کے لئے باہر گئی تھی اوسوقت وہ نہیں آئے ورنہ مفت میں خون ہوجاتے اور پھر کچھ ہاتھ نہ آتا۔ تمام خاندان کی بدنامی ہوتی اور بھائی کشن داس بھی شرم سے خنجر مارکر مرجاتے۔ ابھی چمپا یہی کہہ رہی تھی کہ پیارے موہن لال نے کروٹ لیکر آنکھ کھول دی اور اوسی نحیف آواز میں کہا۔

موہن۔ پیاری تم کہاں گئیں۔

راوہی۔ آپکے سرہانے تو بیٹھی ہیں۔

چمپا۔ کچھ میں بیٹھی تو ہوں۔

موہن۔ آنکھیں ملکر اوٹھ بیٹھا ہے مجھے اوس روز باہر سے کون اوٹھا لایا تھا۔

چمپا۔ یہ قصور تو مجھی سے ہوا تھا۔

موہن۔ میں یقین نہیں کرسکتا۔

چمپا۔ ہاں راوہی کی مدد سے اوٹھا لائی۔

موہن۔ پیاری تو تم نے بڑی تکلیف اوٹھائی۔

چمپا۔ اسکے کہنے کی ضرورت نہیں۔

موہن۔ اچھا یہ تو بتلاؤ تم نے اپنے موہن کا قصور معاف کیا یا نہیں۔

چمپا۔ (کسیقدر شرمندگی سے سر نیچا کرکے) قصوروار میں ہوں کہ تم۔

موہن۔ آہ! پیاری چمپا اگر موہن گنہگار نہ ہوتا اوس کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

چمپا۔ موہن اب زیادہ شرمندہ نکرو۔ تمہاری چمپا تمہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میرے جانے تمہیں اس قدر رنجیدہ کریں گے معاف کرو اب قصور ہوگا۔

موہن۔ نہیں اپنے حسن کی قسم سچ بتلانا کہ مجھے اس حالت میں دیکھکر تسکین کے لئے یہ کہہ رہی ہو دل سے میری خوشی کے لئے اوس رنج کو نکال ہی ڈالا ہے۔

چمپا۔ کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہوا۔

موہن۔ کیونکر ہو۔ میرے پاس وہ تحریر موجود ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ تم مجھسے ناراض ہو۔

چمپا۔ نہیں تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ اور میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔

موہن۔ ہاں یہ تو بتلاؤ کہ تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ میں زخمی ہوکر تمہارے مکان کے قریب پڑا ہوں۔ افسوس ہے ضعف اور نقاہت کی وجہ سے اب تک گفتگو کا موقع نہ آیا ہاں ذرا سب حالت کہہ تو جاؤ کہ کیا ہوا۔ کیونکہ اس وقت میری طبیعت بہت صحیح ہے۔

چمپا۔ تمہارا حال تمہارے دشمن کی زبانی معلوم ہوا۔

موہن۔ کیا وہ تم سے آکر کہہ گیا۔

چمپا۔ ہاں۔ بلکہ اوس نے اپنا عشق بھی جتایا اور اب تک میرے پاس قید ہے۔

اتنا سنکر زخمی موہن لال کی ابرو پر بل پڑ گیا۔ اور اوٹھنے کا قصد کرکے پوچھا۔

موہن۔ تو کیا تم اسکے عشق کی قدر کرتی ہو اور موہن سے نفرت ہے۔

چمپا۔ (مسکراکر) تمہیں کیا خیال ہوتا ہے۔

موہن۔ (ٹھنڈی سانس لیکر) تمہاری کج ادائی تو ظاہر کرتی ہے کہ تم کو مجھسے محبت نہیں۔

چمپا۔ کیا تم میرے منہ سے وہ الفاظ اس کے جواب میں سننا چاہتے ہو

جو احسان جتانے والے ہوں۔ اور تمہارے خیالات کے کافی ثبوت ہوں۔ کہو تو بیان کروں۔

موہن۔ میں آپکا مشکور ہوں۔

چمپا۔ میں تمہارے اِن الفاظ سے ناراض نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ زخمی ہونے اور دماغی چوٹ کھانے کی وجہ سے تم اچھی طرح کسی امر پر غور نہیں کر سکتے۔ بس اتنا کہے دیتی ہوں کہ تمہارا یہ خیال ہی غلط ہے۔ پہلے یہ تو پوچھو کہ وہ ہے کہاں۔

موہن۔ اچھا بتلاؤ۔

چمپا۔ دیکھو اُسی سامنے والے کمرے میں قید ہے۔

موہن۔ اُس ملعون کا نام ہی کچھ معلوم ہوا۔ میں تو اُسے پہچاننے بھی نہ پایا۔

چمپا۔ وہی جو اپنی کاوشوں کی بدولت تمہارے دربار سے بھاگ گیا ہے۔

موہن۔ کیا محمد علی ہے۔

چمپا۔ ہاں وہی۔

موہن۔ آہ! کم بخت نے مجھے کس بُرے وقت میں زخمی کیا۔ علاوہ دشمن ہونے کے اُسی نے رقابت بھی کی اور میری حسرتوں کا خون کر دیا۔ ورنہ اُسی روز تم سے میں دل کھولکر عفو خطا کراتا۔ اطمینان کے ساتھ باتیں کرتا۔ تاکہ تمہارے دل میں ذرا بھی میرے جانب سے رنج باقی نہ رہجائے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے اُسکے لئے کیا سزا تجویز کر رکھی ہے کیا اُسکو یوں ہی رہا کر دوں گی۔

چمپا۔ مجھے تو اوس کی صورت دیکھکر ڈر معلوم ہوتا ہے عجیب بھیانک شکل ہے اب تمہارا جو دل چاہے اُسکو سزا دو میں نے تو تمہارے اچھے ہوتے تک اوسکی حفاظت کی آیندہ تم کو اختیار ہے وہ تو تمہارا مجرم ہے۔

موہن۔ اپنے جرم کے بارے میں تو میں ضرور معاف کر دیتا مگر وہ بدسرشت رقیب بن گیا ہے میری پیاری چمپا کو قید کی حفاظت کی تکلیف دی اور اُسکا دل دکھایا اب میں اوسکی سزا یابی میں اپنی تمام قوت صرف کر دوں گا۔ میں کسی طرح معاف نہیں کر سکتا۔ پیاری چمپا یہ تو بتلاؤ کہ اب تم میرے ساتھ ہمیشہ اسی محبت سے ملو گی یا بس آج ہی تک۔ خدا تمہاری اس دولت حسن کو اور زیادہ کرے کہ تم نے میرے لئے محنت

زحمت اٹھائی۔ تمہاری وجہ سے میں گویا دوبارہ زندہ ہو گیا۔
چمپا۔ موہن تمہیں اب تک میرے کہنے کا یقین نہیں آیا۔ چمپا گو مرد نہیں لیکن اسکا قول مردوں سے زیادہ ہے۔ میں اُسے انسان نہیں سمجھتی جو اپنے قول وقسم پر قائم نہ رہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جو راست گو ہوتا ہے اُسکو لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اوس کی محبت لوگوں کے دل میں کیسی مستحکم ہو جاتی ہے۔ کیا تم راستگوئی کی اس نعمت کو کم سمجھتے ہو یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ میں تمہیں بھی ہدایت کرتی ہوں کہ سچائی کو اپنی تمام عمر ہاتھ سے نہ دینا۔ ورنہ کسی کی نگاہ میں تمہاری یہ قدر باقی نہ رہے گی۔
راوی۔ اور میں بھی اپنے ناظرین سے اس کا خواستگار ہوں
موہن۔ میں اسکے بدل شکر گزار ہوں۔ ہاں تو تھوڑے دنوں کے بعد تم مجھسے شادی کرلوگی۔ میں تمہارے بھائی سے اس معاملہ میں درخواست کروں۔
چمپا۔ ہاں تم بھائی صاحب سے ضرور کہو۔ غالباً وہ منظور کریں گے۔ ورنہ تمہاری جو ہائے ہو میں ہر طرح سے موجود ہوں۔ مگر پہلے محمد علی کی تو فکر کرو۔
موہن۔ ابھی یہ کہکر اس نے اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر خدا جانے کیا اشارے لکھے اور راوی کو دیا کہ وہ کیمپ میں پہونچا دے۔ راوی کے جانے کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد کچھ فوجی افسر معہ ایک نامدان کے حاضر ہوئے اور جنہوں نے دروازہ کھولکر محمد علی کی مشکیں کس لیں۔ موہن بھی اپنے افسروں کے ہمراہ چمپا سے قول و قرار لیکر واپس گیا۔
صبح ہوکر محمد علی سراج الدولہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ اور موہن نے سن وعن حال بیان کیا۔ جس سے وہ اور ناخوش ہوا۔ گو نصیر اور دیگر مصاحبین نے کنایتہً سفارش بھی کی مگر نواب کے غصہ نے سب کے سر نیچے کردئے اور محمد علی کو فوراً قتل کا حکم دیا گیا۔
ناظرین! دیکھئے وہی شخص جس نے ایک بہادر کو مفت حسد اور دشمنی سے قید کرایا۔ اُسکی لوگوں نے غیبت کی اور پھر خمی کیا اب اپنی سزا کو پہونچ گیا ہے اور ایسے موقع پر جسکا اس کے دل میں کبھی گمان ہی نہیں ہو سکتا۔ کس ذلت سے گرفتار ہوا

اور وہ بھی ایک عورت کے ہاتھ سے جس نے باوجود خوف کھانے کے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے بند کر دیا تھا۔ افسوس قاتل نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا ہے۔ لاش خون میں تڑپ رہی ہے۔

اٹھارہواں باب ۱۸

پورنیہ کا نقشہ

او ہیں روز اک ستم ایجاد کرتا
ہمیں روز اک نئی فریاد کرتا

اس وقت ہم اپنے ناظرین کو سراج الدولہ کے دربار کی طرف لئے جاتے ہیں جہاں ہر شخص بیٹھا ہوا میر مدن کے بارے میں اپنی رائے دیتا ہے۔ مگر زیادہ تر یہی ہے کہ جو کچھ نواب کہتا ہے خوشامدی مصاحبین اُسکی مطابقت کرکے ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔ جسپر وہ اپنی رائے سالم سمجھکر اور مغرور ہوتا ہے۔ دماغ آسمان پر چڑھا جاتا ہے اور چونکہ اُس کے دل میں جوش پیدا کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ہر وقت اُسکی صحبت میں رہتے ہیں اس لئے کوئی صائب رائے ظہور پذیر نہیں ہوتی۔

نواب۔ میں نے ایسے شخص کو اس مرتبہ اپنے خط کا عامل قرار دیا ہے کہ دنیا بھادر میری فوج میں ایک ہی نہیں ہے۔ بات کا دھنی اور قول و قرار کا نہایت سچا ہے وہ میرا کام انجام دیگا اور عنقریب واپس آئیگا۔

نصیر۔ بجا فرمایا خداوند نعمت نے وہ ایسا ہی شخص ہے آجتک تو اُس نے کسی سے بیچا نہیں دیکھا۔ اور سچ پوچھئے تو ایسے منچلے کسی کو کم ملتے ہیں۔ بہادری کی شان پوری طور سے پائی جاتی ہے۔

نواب۔ دیکھو اب وہ آئے تو وہاں کی حالت پوری معلوم ہو۔ ابھی تو کچھ خبر ہی نہیں معلوم ہوئی۔ کیوں نصیر پندرہ بیس دن تو ہوئے ہونگے۔

نصیر۔ نہیں حضور صرف ۱۰ بارہ روز ہوئے ہیں کیونکہ وہ یہاں سے سہ شنبہ کے روز گئے ہیں اور آج دوسرا پنجشنبہ ہے اس حساب سے بارہ روز ہوئے۔

نواب۔ میں نے سُنا ہے کہ شوکت جنگ کے پاس فوج بہت ہی خراب ہے

اور کوئی لائق افسر ہی نہیں ہے۔ دیکھہ لیناکہ ہماری فوج کس طرح اوس کی فوج کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔ آن کی آن میں پورنیہ ہمارا ہو جاوے گا۔

نصیر۔ حضور کی فوج اور افسروں کا مقابلہ شوکت جنگ کی فوج سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خدا کے فضل سے ہمارا ملک بہی جری فوج بہی جری اور افسر بہی لائق ہیں۔

نواب اور اُسکے صلاح کار بہی محض معمولی ہی معمولی ہیں۔ کوئی عقلمند نہیں۔ ہر وقت وہ بری صحبتوں میں رہتا ہے اور وہ سب اُسے بیوقوف بنایا کرتے ہیں۔

نصیر۔ اے خداوند ہر جب وہ بیوقوف ہے تو اوسکا احمق بنانا ہی کیا بات ہے عالم ہو تو حضور کا ایسا بیدار مغز۔

سراج الدولہ اس کے اس جملہ پر مونچھوں پر تاؤ پہیرنے لگا اور نصیر نے بہی یہ دیکھکر دبی ہوئی مسکراہٹ سے اپنے جملہ کی دل ہی دل میں تعریف کی اور فخریہ دوسرے ساتھیوں کی طرف دیکھا

راوی۔ جو کچھ سراج الدولہ نے شوکت جنگ کے بارے میں کہا ہم اس کی صحبت میں بہی وہ سب باتیں موجود پاتے ہیں۔ مگر بقول شخصے کوئی اپنے عیب پر نظر نہیں کرتا اور دوسروں کے عیوب پر نکتہ چینی کرنے لگتا ہے اگر کاش سراج الدولہ اپنی ہی حالت پر نظر کرتا تو بنگال جو اول نمبر کا صوبہ ہے اس وقت بڑی ہی ترقی پر ہوتا۔ غرض کچھ دیر تک تو اس صحبت میں اس قسم کی باتیں رہیں اور پہر جام مئے ارغوانی کا دور چلنے لگا اور آپس کے مذاق میں اضافہ کی گہڑی اور ملکی ترقیوں کا وقت ضایع ہونے لگا۔ سراج الدولہ کی ساری دوراندیشی اور نصیحت نکل گئی۔ یہ اپنے اسی رنگ میں تہا کہ ایک چوبدار نے آکر خبر دی کہ شوکت جنگ کا پیام بر آیا ہے۔ یہ سنکر حاضری کا حکم دیا گیا۔ پہر اس نے سراج الدولہ کے دربار میں آکر شاہی آداب کے ساتھ جہک کر سلام کیا۔

نواب۔ ہمارا قاصد میرمدن وہاں پہونچ گیا۔

لطیف بیگ۔ (یہ اس قاصد کا نام ہے) ہاں خداوند نعمت جب ہی تو جواب لکہا گیا ہے اب اس نے شوکت جنگ کا خط دیا اور فوراً سینہ پر ہاتھہ رکہکر زور سے ایک آہ کی اور گر پڑا۔ اس کی بیقراری سے یہ ظاہر ہوتا تہا کہ وہ کچھ دیر کا مہمان ہے۔

نواب۔ دگھبراکر) کیوں یہ کیا ہوا۔

لطیف۔ (رک رک کر) خداوند مجھے درد گردہ ہوتا ہے۔

نواب۔ اچھا خط کا جواب دیا جائیگا تم چلے آؤ۔

اتنا سنتے ہی وہ بہت آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا باہر آیا۔ لوگوں کی نگاہیں جب تک یہ دربار میں رہا عجیب حیرت کے ساتھ اسپر پڑتی رہیں۔ لیکن باہر جاتے ہی ہم نے دیکھا کہ تھوڑی دیر تک تو یہ اسی حالت میں رہا آخر گھوڑے پر بیٹھکر ہنسنے لگا اور فوراً ایڑ لگاکر نہایت تیزی سے ایک طرف چلا گیا۔

جہاں تک ہمنے دیکھا اور غور کیا لطیف بیگ کا دفعتاً علیل ہو جانا اور باہر آکر ہنسکر بھاگنا یہ سب اسکی بڑی چالاکی تھی۔ لو ابھی تک اسکی وجہ سمجھ میں نہیں آتی مگر آگے کے واقعات ہم کو ضرور بتلا دینگے کہ کس لئے یہ چال کی گئی۔

اس کے جانے کے بعد نواب نے خط کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ ہمارے ناظرین تو اس خط کے مضمون سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ وہی خط ہے جو بہادر میر مدن [illegible]ید کے وقت لکھا گیا تھا اسے پڑھتے ہی سراج الدولہ آگ ہو گیا۔ اور اوسی غصہ میں خط چاک کرکے پھینک دیا۔ آنکھیں غضبناک ہوئیں اور چہرہ سُرخ ہو گیا۔ ابرو پر بل پڑ گئے۔ بگر کچھ بولا نہیں۔ مصاحبین اسکی یہ حالت دیکھتے رہے اور آخر نصیر نے وہ چاک شدہ خط اوٹھا لیا جسکے دو تین ٹکڑے ہو گئے تھے اور جوڑ ملاکر اسکا مضمون پڑھکر یوں کہنے لگا۔

نصیر۔ خداوند نعمت اس کا جواب یہی ہے کہ انشاءاللہ اوسکو معقول گوشمالی دیجائیگی حضور عالی کو رنجیدہ نہ ہونا چاہئے۔ کچھ بڑی بات تو ہے نہیں کہ وہ اپنی سزا کو نہ پہونچے۔ دیکھئے گا وہ کچھ دنوں میں حضور کے روبرو دست بستہ کھڑا ہو گا۔ اور یہ غلام اوس سے سخت کلامی کرتا ہو گا۔

نواب۔ اس بدسرشت شوکت کی بھی یہ مجال ہو گئی کہ اپنی جانب کی شان میں ایسے کریہہ جملے لکھے دیکھو تو اوسکا کیا حال کرتا ہوں۔ اور وہ کیسی بُری موت سے مارا جاتا ہے ان نالایقوں کی تا وقتیکہ پوری طور سے گوشمالی نہ کی جائیگی وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئینگے۔ خدا جانے میر مدن پر کیا آفت گذری کہ وہ ابتک نہ آیا۔

نصیر۔ ہاں حضور اسکو کچھ شک ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ گرفتار کر لیا گیا ہو۔

نواب۔ یقیناً ایسا ہی ہوا (ایک چوبدار سے) دیکھو تو لطیف بیگ کہاں گیا۔
تھوڑی دیر کے بعد چوبدار آیا اور کہنے لگا۔
چوبدار۔ خداوند نعمت۔ غلام نے بہت تلاش کیا مگر اسکا کہیں پتہ نہیں۔ لوگوں سے سنا کہ وہ دربار عالی سے رخصت ہو کر گھوڑے پر سوار ہوتے ہی ہنستا ہوا جدہر سے آیا تھا اوسی طرف چلا گیا۔ مرشدآباد میں نہیں ہے۔
نواب۔ مرشدآباد میں نہیں ہے۔
چوبدار۔ نہیں خداوند۔ کسی وجہ سے چلا گیا۔
نواب۔ (کچھہ غور کرکے) نصیر ہمارا بہادر میر مدن ضرور گرفتار کر لیا گیا اور اسی خوف سے یہ سوار بہاگ گیا ہے۔
نصیر۔ خداوند نعمت نے لطیف کے بہاگنے سے یہ قیاس کیونکر کر لیا کہ میر مدن گرفتار ہو گیا۔
نواب۔ وہ [illegible] میر مدن کی گرفتاری کی خبر اُس سے سنتا تو ضرور لطیف کو بھی قید کر لیتا۔ اور اس طرح بدلہ ہو جاتا۔ مگر وہ ہے بڑا عقلمند۔ اُس نے پہلے سے یہ امر سوچ لیا تہا۔ وہ در اصل بیمار نہ تہا صرف دہوکا دینے کے لئے اُس نے اپنا چہرہ ایسا مضمحل بنا لیا کہ مجھے غور کرنے کا بھی موقع نہ ملا اور فوراً اُسے آرام لینے کے لئے رخصت کر دیا۔ خیر کچھ پرواہ نہیں ہے اگر میر مدن کا ایک موئے جسم بہی میلا ہوا تو میں شوکت جنگ کے خاندان کو خاک سیاہ کر دوں گا۔
نصیر۔ حضور عالی کی رائے نہایت مناسب ہے میں یقین کرتا ہوں کہ میر مدن ضرور قید کر لیا گیا۔ نہیں تو اس سوار کے بہاگ جانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ضرور ایسا ہی ہوا ہے۔
نواب۔ الحمد کہ کلکتہ کا ناظم معزول کیا گیا۔ میر مدن پر یہ آفت آئی۔ اب رہ گئے میر جعفر اور موہن لال کو بہی نہیں رہنے دوں (کچھ سوچکر) نہیں اُنکو بہی چلنا چاہیئے۔ بس انہیں دونوں افسروں کے ساتھہ پورنیہ روانہ ہو جاؤں۔ اچہا بلاؤ اُن دونوں کو۔
چوبدار گیا اور دونوں کو بلا لایا۔ یہ سب نواب کو غصہ میں دیکھکر غور کرنے لگے کہ کیا ماجرا ہے اور پھر اپنے اپنے مقام پر سلام کرکے بیٹھہ گئے۔

نصیر۔ دکان میں جھک کر) میر مدن گرفتار کرلئے گئے۔
ابھی یہ سب جواب بھی نہ دینے پائے تھے کہ سراج الدولہ ان کی طرف مخاطب ہوا۔
نواب۔ موہن لال اور میر جعفر تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ شوکت جنگ سے لڑنے کے لئے مستعد ہوجاؤ میر جعفر چونکہ تم کو پیشتر سے دادا جان نے سواروں کا افسر مقرر کیا ہے لہذا اس میں میں کوئی تغیر نہیں کرتا۔ اور موہن لال تم کو کل پیدل سپاہ کے سالار مقرر کئے جاتے اور میں دونوں فوجوں کی نگرانی بہ نفس نفیس کروں گا مجھے اوس پر سخت غصہ ہے جسقدر جلد تم لوگوں سے ہو سکے مستعد ہوجاؤ تمہیں تین روز کی مہلت دیجاتی ہے اس عرصہ میں اپنے فوجی انتظامات درست کرلو۔
میر جعفر۔ (سلام کرکے) خداوند نعمت کے حکم سے تیسرے روز انشاءاللہ حقیر تیار رہے گا۔
موہن اور میر جعفر فوجی سلام کرتے ہوئے رخصت ہوگئے۔ اب سراج الدولہ کو خدا جانے کیا خیال آیا کہ اس دربار سے اٹھکر دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ جہاں یہ بیٹھا ٹہلتا جاتا ہے اور یوں کہہ رہا ہے۔
میر مدن کے چھڑانے کی کوشش تو کر رہا ہوں لیکن کیا یہ خوف کی بات نہیں ہے اسکو چھڑانا چاہئے۔ یہ تو ضرور ہے کہ ہم شوکت جنگ سے اچھی طرح مقابلہ کرسکیں گے لیکن اس سے میر مدن کی رہائی بھی ہوگی۔ اس میں البتہ کلام ہے کس طرح اسکے چھڑانے کی فکر کیجائے دکھیے خیال کرکے کانپ گیا) مگر نہیں مجھے زیادہ کوشش کرنی نہ چاہئے۔ بلکہ پوشیدہ طور سے ایسی چالیں ہوں کہ وہ قتل کرڈالا جائے۔ اور اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ کسی طرح شوکت جنگ کو اس کی طرف سے غصہ دلایا جائے بس وہ قتل کرڈالیگا دھڑکر) مگر اس سے فائدہ صرف یہی ہو کہ کسی دل زیب سے دل کھولکر دلی تمنائیں نکالنے کا موقع ملیگا۔ کوئی خوف باقی نہ رہے گا۔ لیکن نہیں وہ بے قصور ہے۔ اور میرا کام تو نکلا جاتا ہے مفت میں کسی بیگناہ کا خون اپنے سر کیوں لوں ایک تو ناء کی جگہ پھیلی یہ زبان سے نکالنے میں سراسر مضرت کا خوف ہے۔ صرف ایک شخص اس کا واقف کار ہے اور وہ بھی بہادر۔ قول کا سچا جو کہتا ہے وہی کرتا ہے تو پھر جب اس معاملہ میں میرا رازداں ایسا ہے تو سبحھے کچھ خوف نہ کرنا چاہئے۔ اور ضرور ایک حسین کی رہائی میں اپنی جان لڑادوں۔ وہ میرا

سب سے زیادہ خیر خواہ۔ سب سے زیادہ بہادر اور اوسے میری ترقی کا بہت زیادہ خیال ہے۔
میں نے بھی تو غضب کیا۔ اپنی شان کے بالکل خلاف اور اسی وجہ سے جب وہ میرے سامنے آجاتا ہے تو میرا بند بند کانپنے لگتا ہے اگر وہ اوس راز سے واقف ہو جائے تو میرے خبردار ہونے کے قبل ہی میرا کام تمام کر دے۔ غضب کا غصہ ور اور دلیر ہے اوسکو میری نمک خواری کا پاس نہ رہے گا۔ کیونکہ یہ معاملہ آبرو کا بہت نازک ہوتا ہے۔ اور اس میں انسان کسی کا پاس و لحاظ نہیں کرتا۔
سراج الدولہ کو یہ کہتے کہتے شاید کچھ خیال آگیا۔ کہ اس نے پیچھے پھر کر دیکھا۔ ساتھ ہی تلوار بھی میان سے کھینچ لی اور تیزی سے آگے بڑھا۔ یہاں کون تھا اس کا مصاحب جو ایک گوشہ میں کھڑا ہوا اس کی یہ باتیں سن رہا تھا۔ اور نواب سراج الدولہ کو اپنی طرف آتے دیکھکر بھاگا۔ لیکن بھاگ کر جاتا کہاں اور پھر اسکی قضا آچکی تھی اُلجھ کر گر پڑا اور ساتھ ہی نواب سراج الدولہ کی تلی ہوئی تلوار نے دو ٹکڑے کر دئے۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نصیر کی کارستانی تھی کیونکہ اُسکے مارے جانے سے اور سب تو کانپ گئے مگر اس کے چہرہ پر ہلکی سی مسکراہٹ معلوم ہوئی اور دل ہی دل میں خوش ہوا بلکہ خود ہی اوس کی لاش اُٹھا لیجانے کا حکم دیا سراج الدولہ کے چہرہ پر اس وقت بلا کا غصہ تھا وہ اس وقت اپنی اس صحبت میں بھی شریک نہیں ہوا۔ اور درباریوں کو تند نگاہوں سے دیکھتا ہوا محل میں چلا گیا حاضرین دربار بھی اسی خوف کے عالم میں آہستہ آہستہ اُٹھکر چلے گئے۔

انیسواں باب ۱۹

آنکھ پھڑکی ڈھٹائی آتی ہے
کھل گیا اوس کا خود بخود جوڑا
آج قیدی کوئی رہا ہوگا

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ بیچارے درد رسیدہ میر مدن کو قید خانہ کی دیوار پر کھڑے کھڑے غش آگیا اور زمین پر گر پڑا تھا اور یہ بھی یاد ہوگا کسی کی یہ صدا بھی آئی تھی کہ اے مے گلشن دیکھ تو ادھر کیا حال ہوا!! آپ لوگ یہ تو نہ جانتے ہونگے کہ یہ کون عورت ہے۔

جو میر مدن پر اسقدر مہربان حال ہوگئی ہے۔ یہ شوکت جنگ کی بہن عصمت النسا ہے۔ اور اسی کے رہنے کا یہ باغ ہے جو قید خانہ کی پشت پر واقع ہے۔

بیچارہ میر مدن اس وقت زمین پر لیٹا ہوا سو گیا ہے جہاں نہ تکیہ ہے اور نہ بچھونا۔ خاک کا فرش ہے اور بڑا پتھر بجائے تکیہ کے سر کے نیچے رکھا ہے۔ یہ اسی طرح سو رہا تھا کہ قید خانہ کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا۔ تاریکی کی وجہ سے یہاں کچھ سوجھائی نہیں دیتا مگر غور سے دیکھئے یہ تو وہی گلشن خواص ہے جسے اس روز ہمنے عصمت النسا کے ساتھ باغ میں دیکھا تھا۔ مگر یہ یہاں کیوں آئی ہے شاید عصمت النسا نے بھیجا ہے۔ لیجئے وہ میر مدن کے قریب پہونچ گئی۔ اور اُسے خواب راحت میں دیکھکر اس نے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ سرہانے پہلو میں بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگی کہ شاید اس سے اُن کی آنکھ کھل جائے مگر وہ کچھ ایسا بے خبر سو گیا ہے کہ کسی طرح اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ آخر گلشن مجبور ہو کر اوسی طرح سوتا چھوڑ کر واپس گئی۔ اسلئے کہ وہ یہاں زیادہ ٹھہر بھی نہیں سکتی تھی۔

کوئی اپنے کمرہ میں انتظار میں ٹہل رہا تھا جب یہ گلشن پہونچی۔ یہ وہی دلربا عصمت النسا ہے جس نے گلشن کو زنداں میں بھیجا تھا۔ کہ وہ میر مدن کی مزاج پرسی کرے۔ گلشن کو آتے دیکھکر آگے بڑھی اور یوں پوچھنے لگی۔

عصمت۔ کیوں گلشن کیا ہوا۔

گلشن۔ بی بی وہ تو سو رہے ہیں میں نے جگایا نہیں۔

عصمت۔ اب جسم کا درد کیسا ہے زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔

گلشن۔ اوپری چوٹ تو نہیں معلوم ہوتی۔ مگر دھمک تو ضرور آئی ہوگی۔ اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔

راوی۔ ناظرین گلشن کے بارے میں خوب یاد رکھئے کہ وہ بد سرشت اور کسی کو بگاڑنے والی عورت نہیں اور اسی وجہ سے اُسکے سر پر بلا آیا چاہتی ہے۔

عصمت۔ تو ابتک سو رہے ہیں۔

گلشن۔ جی ہاں اور عجب گھبرا گھبرا کر الٹی سانسیں بھی لے رہے ہیں۔

عصمت النسا۔ شاید قید خانہ کی گرمی سے یہ کیفیت ہوگئی ہے۔

گلشن اے حضور ہونے دیجئے۔ آپکو کیا چاہے مرے یا جئے۔

عصمت۔ تو بھی کیسی سنگ دل ہے۔ رحم کا تجھ میں نام نہیں۔ پھر انسان کے گھر کیوں پیدا ہوئی۔

گلشن۔ اب جو حضور فرمائیں وہ کروں۔

عصمت۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو تھوڑا سا کیوڑا لیجا کر دے آؤ۔

گلشن۔ اور اسکے بعد حضور کیا حکم دیتی ہیں۔ اپنے ہمراہ لیتی آؤں۔

عصمت۔ (غصہ میں آکر) کیوں ری مردار۔ مجھسے مذاق کرتی ہے (بلند آواز سے) ارے کوئی ہے مارو اس حرامزادی کو۔

اس صدا کو سنتے ہی خواصیں دوڑ آئیں اور گلشن بیچاری مفت مار کہا گئی جب یہ مار کہا چکی تو عصمت النسا کو خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ میری اس کارروائی سے ناخوش ہو کر کسی سے اس پوشیدہ راز کو ظاہر کر دے اور میں مفت میں بدنام ہو جاؤں یہ خیال کر کے اس نے ایک دوسری خواص کو اپنے پاس بلایا اور حکم دیا کہ اس کو قید کرا دو۔ خبردار کوئی اس کی بات نہ سنے اب یہ ایک علحدہ کوٹھری میں بند کر دی گئی۔ اسکے بعد اس نے حکم دیا کہ ابھی ایک کمرہ خوب صاف کر کے پر تکلف چیزوں سے آراستہ کر دو۔ اور خود یہاں سے اوٹھکر اوس روشن دان کے قریب جایا چاہتی تھی جہاں میر مدن قید تھا۔ مگر کچھ غور کر کے رُک گئی اور ایک سوسن نامی خواص کو جسپر اسے پورا اعتماد تھا اپنے قریب بلایا۔ قبل اسکے کہ یہ اوس سے کچھ کہے سوسن نے خود ہی یوں گفتگو شروع کی۔

سوسن۔ بی بی وہ قیدی جسے دیکھنے کے لئے لونڈی آپکو بلانے گئی تھی خدا جانے اُس کے بارے میں کیا حکم ہوا۔

عصمت۔ سوسن وہ قیدی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔

سوسن۔ نہیں بی بی۔ معمولی ہوتا تو اس قیدخانہ میں کیوں رکھا جاتا یہاں تو وہی لوگ قید ہوتے ہیں جو شریف خاندان ہوتے ہیں۔ خدا جانے یہ کون شخص ہے۔

عصمت۔ اور مجھے اُس کے گرفتار ہونے کا بہت رنج ہوا۔

سوسن۔ رنج کی بات ہی ہے وہ غریب کبھی کاہے کو ایسی بلا میں پھنسا ہوگا اس نئی مصیبت سے گھبراتا ہوگا۔

عصمت۔ سوسن تو ایسی تکلیف میں وہ ہماری بڑی مہربانی اپنے حال پر سمجھے گا اگر

تہوڑی دیر کے لئے اُسے اس باغ میں سلایا جائے اور پہر رہا کردیں کہ جہاں چاہے چلا جائے ہزاروں دعائیں دے گا۔

سوسن۔ ہاں بی بی ہے تو ٹہیک لیکن اگر آپکے بہائی جان کو خبر ہوگئی تو۔

عصمت۔ یہ کہ میں نے چہوڑ دیا۔

سوسن۔ جی ہاں۔

عصمت۔ اُن کو اپنے شراب وکباب سے مطلب ہے۔ وہ تو برسوں قیدیوں کی خبر ہی نہیں لیتے بیچارہ قید میں گہلا کرتا ہے۔ سیکڑوں اس طرح بہاگ گئے۔ محافظین پر کچہ جرمانہ ہوجاتا ہے۔ تو پہر یہ بہی اوسی طرح بہاگ جائیگا (ایک انگوٹہی اوتار کر) سوسن اسکو نے اور اگر تو نے کسی پر ظاہر نہ کیا تو تجہے اور انعام دوں گی مگر اتنا خیال رہے کہ اُسے باغ کے اوتر والے کمرہ میں لانا۔

سوسن۔ بی بی اس انگوٹہی کی کیا ضرورت ہے۔ حضور ہی کی بدولت پرورش ہوتی ہے جو کچہ آپ فرمادیں اُسکا بجالانا ہمارا فرض ہے۔

عصمت۔ اچہا تو جلد جا۔ کیونکہ میں نے اوسبہوں کو کام میں پہنسا دیا ہے۔

سوسن نوجوان میر مدن کے پاس جارہی ہے۔ جو ابہی خواب ناز سے بیدار ہوکر خاموش سر جہکائے بیٹہا ہے۔ ایک تو قید کی تکلیف دوسرے کسی مہوش کا ہردم ستانے والا خیال ان دونوں نے ملکر اس کے دل کو اور بہی پریشان کردیا ہے اور ٹہنڈی ٹہنڈی سانسیں لے رہا ہے۔ آخرش کسی آواز کو سنکر یہ گہبرا کر ادہر اُدہر دیکہنے لگا۔ دروازہ کہلا اور ایک دُبلی پتلی۔ خوبصورت عورت قیدخانہ کے اندر آئی۔ میر مدن کو دیکہکر کچہ اُمید ہوئی اور یہ نہایت حیرت کے ساتہہ اُس آنے والی عورت کو دیکہنے لگا جو خوف سے اُسکے قریب نہ آئی تہی۔

میر مدن۔ نیک بخت تم کون ہو اور کس لئے آئی ہو۔

سوسن۔ زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں ہے کہیں کوئی محافظ دیکہہ لیگا تو ستم ہوجائیگا۔ بہتر ہے کہ تم میرے پیچہے پیچہے چلے آؤ۔ میں سوسن ہوں تمہیں لینے آئی ہوں۔ تم مجہسے ذرا بہی خوف نہ کرو۔ اب تمہاری رہائی کا زمانہ آگیا۔ اتنا سنتے ہی میر مدن کے جسم میں تازہ روح عود کرآئی اور اُوس کے چہرہ سے خوشی کا تبسم ظاہر ہوا۔ وہ اُسکے پیچہے ہولیا۔ سوسن اوسکو اوس کمرے میں لے گئی جہاں اوسکو بٹہانے کا حکم دیا گیا تہا۔ میر مدن کو اُس کمرے میں

پہونچا کر سوسن عصمت النسا کے پاس پہونچی۔

عصمت۔ کہو سوسن کیا کیا۔

سوسن۔ وہی کیا جو حضور کا حکم تہا۔

عصمت۔ اچہا سوسن میرے خاص اصطبل سے ایک گہوڑا بہی اوسکے لئے مستعد رکہو۔

سوسن۔ بہت خوب۔

ناظرین۔ اب سوسن تو گہوڑا درست کرنے گئی اور عصمت النسا اوس کرے کے قریب صحن باغ میں ایک کرسی پر جلوہ افروز ہوکر اُن پہولوں کو دیکہنے لگی۔ جو دہوپ سے کہلا گئی ہے لیکن ہاں دل میں وہی خیال ہے جس نے ہمارے بہادر میر مدن کو قید سے رہا کیا اور جو کرے میں بیٹہا ہوا انتظار کر رہا ہے۔ عصمت النسا کرسی پر اس لئے بیٹہہ گئی ہے کہ اوسکی شرم وحیا اندر جانیکی اجازت نہیں دیتی۔ گو وہ بار بار ارادہ کرتی ہے کہ میں کرہ میں جا کر کسی منتظر کے پاس بکیشوں اور دلی حالت بیان کروں۔ مگر کیا کرے شرم ہے کہ ہاتہہ جوڑے کہہ رہی ہے۔ عصمت النسا یہ تو کیا کرتی ہے کیا اپنی خاندانی عزت خاک میں ملادیگی۔ کیا تو غیر مرد کے سامنے چلی جائیگی۔ افسوس ہے لوگ تجہے کیا کہیں گے۔ اور تیری کیسی رسوائی ہوگی۔ تیری یہ عنایت بہت ہے کہ اوسکو قید سے رہا کر دیا۔ یہ نیکی تجہے ہمیشہ خوش رکہے گی۔ اور وہ بہی تجہے ہمیشہ یاد آتا رہے گا۔ بس سوسن کو بلاکر اُسے گہوڑا دلوادے کہ سیدہا چلا جاے۔

عصمت النسا اوس کرے سے جہاں میر مدن بیٹہا ہوا گہبرا رہا ہے دس قدم کے فاصلہ پر بیٹہی ہے مگر میر مدن اسکو دیکہہ نہیں سکتا وہ اپنے دل میں سوچ رہا ہے کہ مجہے آئے اتنا عرصہ ہوا مگر اب تک کسی نے صورت نہ دکہلائی کیا میں یہاں تنہا بیٹہنے کے لئے بلایا گیا ہوں۔ کیا وہ رحم صرف چند لمحوں کے لئے تہا۔ میں کب تک یہاں بیٹہا رہوں۔ سوسن ہی مجہے بیٹہا کر خدا جانے کہاں چلی گئی۔ لیکن نہیں وہ ضرور آئیں گی۔ شاید اونکی شرم اونکو روک رہی ہے اب آج مجہے اپنے جذب دل کی قدرت اور اونکے ناز کا مقابلہ کرنا ہے۔ مگر امید ہے کہ شاید میرے حال پر رحم کہا کر اپنے نازک قدموں کو تکلیف دیں۔ اور مجہپر عنایت کریں۔ اے میری پہری ہوئی قسمت میری مدد کو آئیں کیوں نہیں۔ کیا واقعی مجہے تڑپانا منظور ہے۔

بہلا بہادر میر مدن اتنا ہی کہنے پایا تہا کہ کسی رحم دل سے اسکی زاری نہ سنی گئی۔ دیکہئے وہ جوش محبت میں اُس کرے کی طرف جا رہی ہے جہاں حبشی امیر مدن بیٹہا ہوا ہے۔

عصمت النسا دروازہ تک تو آنے کو آئی مگر پھر اسے دیکھکر جھجکی اور غیرت نے زمیں میں پاؤں گاڑدیئے یہ اوس جگہ کھڑی رہ گئی۔ اپنے مشتاق کی یہ بے کسی کی حالت دیکھکر آبدیدہ ہوگئی اور خود کہنے لگی کہ ہیں میری وہ تحمل و صبر کی باتیں کیا ہوگئیں۔ میں کیوں اسقدر رعب میں آگئی ہوں۔ یہ حالت چند لمحوں تک رہی آخر میر مدن کے کان میں محبت کے یہ جوش ولولوں نے جھک کر یہ کہا کہ دیکھو تمہاری نازک اندام معشوقہ کب سے کھڑی ہے۔ اب میر مدن اوٹھا اور اوسکے قریب چلا جسے دیکھکر عصمت النسا نے چاہا کہ بھاگ جائے مگر اس نے لپک کر نازک اور نرم کلائیاں تھام لیں اور سر قدموں پر رکھدیا۔ پھر یوں بولا۔ ؎

جھجکے جاتے ہو کیوں شرم و حیا سے اس طرف دیکھو
جو آئے ہو تو بیٹھو بے تکلف ہو کے یاروں میں

عصمت۔ دشمنوں کی آنکھ پڑی ڈھٹائی آتی ہے۔

میر مدن۔ تمہارا آشفتہ اوس وقت سر قدموں سے اوٹھائے گا جب تم اوس کی دلی تمنا سننے کا وعدہ کروگی۔

عصمت۔ سرو۔ مجھے کیوں گناہ گار کرتے ہو۔

میر مدن۔ تو تم وعدہ کردو۔ میں اس خیال سے سر نہیں اوٹھاتا کہ تم بے اعتنائی کرکے چلی نہ جاؤ اور میری آنکھیں بھی قدم بوسی سے محروم ہو جائیں۔

عصمت۔ اچھا اٹھو تو ملیں۔ جاؤں گی کہ نازک اور حنائی انگلیوں سے سر اوٹھا کر۔ یہ تم روتے کیوں ہو۔

میر مدن۔ اوف۔ میں ہی کہوں کہ کیوں روتا ہوں۔

عصمت۔ اور میں کیا جانوں۔ ہاں شاید اوس روز کے گرنے سے چوٹ آگئی ہے اور اوس میں درد ہو رہا ہے۔

میر مدن۔ نہیں پیاری۔ یہ وہ جسم ہے کہ اوس پر خنجر و شمشیر ٹوٹتے ہیں اور کچھ معلوم بھی نہیں ہوتا۔ مگر تمہاری خدنگ نظر نے ایسا کاری زخم لگایا ہے کہ کسی پہلو چین نہیں آتا اوف کیسا درد جگر ہو رہا ہے۔

عصمت۔ بالکل جھوٹ۔ اچھا ہم بھی درد جگر تو دیکھیں۔

میر مدن۔ ایک چھری لادو ابھی سینہ چاک کرکے دکھادوں ؎

عصمت۔ اے لو۔ تو اب میں تمہارا خون بھی کروں۔ توبہ
غرض یہ دونوں ایک پُر تکلف فرش پر آ بیٹھے۔ میر مدن نے اپنے قید ہونے اور گذشتہ چند بہادریوں کی داستانیں سنائیں جس سے یہ اور بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھنے لگی اور نہایت توجہ سے مخاطب ہوئی۔ میر مدن کی آنکھوں میں اس وقت شاید بزم سلیمانی کی بھی قدر نہ ہوگی۔
میر مدن۔ میں پورنیہ کی شہزادی کا کسقدر مشکور ہوں جس نے مجھے قید سے رہا کیا۔ اور اپنے روبرو محض عزت افزائی کے لحاظ سے بٹھایا بلکہ یہی نہیں بلکہ خود بے تکلف اور آزادانہ طور سے گفتگو کرنے کا موقع دیا۔ شاہزادی میں سپاہی آدمی ہوں۔ میں داستان گو نہیں کہ اچھے الفاظوں میں شکریہ ادا کرسکوں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ تم پر اپنی جان فدا کردوں۔
عصمت۔ تم وہی باتیں کرتے ہو جس سے دل گھبرائے۔
میر مدن۔ تم درد جگر دیکھنا منظور نہیں کرتیں۔ پردرد داستان سننا نہیں چاہتیں تو پھر اب کیا کروں۔
عصمت۔ اچھا دیکھو تمہارے لئے باغ کے دروازے پر ایک گھوڑا موجود ہے بس تم اوسی پر سوار ہو کر چلے جاؤ۔
میر مدن۔ اُف پیاری شہزادی میں تمہاری زبان سے یہ کیا سُن رہا ہوں۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ میں یہاں سے زندہ جاؤں گا۔ آہ۔ ہرگز نہیں مجھے یوں جانا منظور نہیں۔ تنہا تو لاش جائیگی میں نہ جاؤں گا۔
عصمت۔ پھر دیکھو تم نے کوسنا شروع کیا۔ میں چلی جاؤں گی مجھسے ایسی باتیں سنی نہیں جاتیں۔

راوی۔ ؎ موت اپنی میں نے مانگی ہوکے جب مایوس وصل
کر کے منت ہاتھ اس نے میرے منہ پر رکھدیا

میر مدن۔ (ہاتھ جوڑ کر) اچھا اب خاموش رہیں گے خفا نہو ؎
معاف کیجئے اے جان جاں خطا جو ہوئی
ہمارے واسطے کیا کم تھی وہ سزا جو ہوئی

میر مدن اور عصمت النسا میں اس قسم کی باتیں یعنی محبت کی چھیڑ ہو رہی تھی کہ دفعتاً باہر کسی کے پاؤں
کی چاپ معلوم ہوئی بہادر نوجوان نے کمرے میں لٹکی ہوئی تلوار فوراً اوتار لی اور سنبھلکر بیٹھ گیا عصمت النسا
گھبرا کر خاموش ہو گئی چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

ناظرین تو سمجھے ہونگے کہ کون آیا بڑا غضب ہوگیا۔ گلشن کو خواصوں نے قید نہیں کیا اور
محض معمولی خفگی سمجھکر کچھ دیر کے بعد چھوڑ دیا۔ وہ کمبخت وہاں سے نکلتے ہی سیدھی شوکت جنگ
کے پاس چلی گئی اور عصمت النسا کی پوری کیفیت بیان کر دی جسے سنکر وہ آگ بگولا ہوگیا۔ اور
وہیں سے تلوار چمکاتا ہوا چلا آتا ہے سیدھے کمرے کے اندر داخل ہوگیا عصمت النسا کی تو
اسے دیکھتے ہی جان نکل گئی مگر بہادر میر مدن پر کیا اثر ہو سکتا تھا اس نے عصمت النسا کو تو
پس پشت لے لیا اور خود موقع کا منتظر رہا۔ اب شوکت جنگ نے غصہ سے آواز دی۔ کمبخت
تو ہماری عزت بھی برباد کرنا چاہتا ہے۔

اور اس جملے کے ساتھ ہی تلوار کا ہاتھ مارا۔ ہماری آنکھ جھپک گئی ہے اور سمجھتے ہیں کہ میر مدن کو
کاری زخم آگیا ہوگا۔ مگر نہیں شوکت جنگ کی تلوار اسکی تلوار میں آدھی گھس گئی اور وہ کھینچنے
کی فکر میں ہے۔ میر مدن سیکڑوں جنگ جھیلے ہوئے ہے۔ علاوہ اسکے ایسے موقع کو کب ہاتھ سے
جانے دیتا ہے اس نے فوراً شوکت جنگ کی کلائی پر ہاتھ ڈالدیا اور جب شوکت جنگ اسکی
کمر سے لپٹ گیا تو اس نے ذرہ گھوم کر ایسی اینٹی ماری کہ وہ چاروں شانے چت زمین پر آرہا۔
اب اس نے سینہ پر سوار ہو کر تلوار گلے پر رکھدی اور یوں کہنے لگا۔

میر مدن۔ کیوں اے بزدل صوبہ دار تیرے غرور اون سخت الفاظوں کا اس وقت بدلہ
ہونا چاہئے۔ دیکھ یہی تیری خون آشام تلوار کچھ دیر میں تیری اس گردن پر پھیری جاتی ہے
جس سے شراب کے گھونٹ ہر وقت اترا کرتے تھے۔ بس اب تو موت کے لئے مستعد
ہو جا۔ قصداً نہیں بلکہ مجبوری اور زبردستی سے شوق اور رغبت سے نہیں بلکہ ایک
بہادر سپاہی کے جابر حکم سے۔

شوکت جنگ اسکا کیا جواب دیسکتا تھا وہ موت کے پنجہ میں گرفتار تھا۔ اور میر مدن کی غضبناک سرخ
سرخ آنکھیں اسکے رہے سہے حواس کو اور بھی مختل کئے دیتی تھیں۔ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر خوف سے زبان
بند ہوئی جاتی تھی عجیب یاس کی نگاہ سے میر مدن کے چہرہ کو دیکھ رہا تھا جو لمحہ بلمحہ غضبناک ہوتا جاتا تھا
عصمت النسا سے یہ حالت نہ دیکھی گئی وہ قریب آکر یوں بولی۔

عصمت۔ میر مدن اگر تم نے میرے بھائی کو قتل کیا تو یہ جان لو کہ میں بھی نہ ہونگی۔

میر مدن۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ رہائی پاکر تمہیں زندہ چھوڑے گا۔

عصمت۔ اسکے لئے دوسرا انتظام کیا جائیگا۔ مگر تم اسے قتل نہ کرو۔

میر مدن۔ آخر بتلاؤ کہ تم اسکے ہاتھ سے کیونکر بچ سکتی ہو۔

عصمت۔ خیر اگر مجھے مرنا ہے تو تم کب تک اسے روک سکتے ہو۔ اور پھر جب میں اسے رہا کرونگی تو وہ میرے قتل سے باز آجائے گا ہرگز قتل نہ کرے گا۔

میر مدن۔ بھولی عصمت النسا جس وقت اس بدسرشت کو شراب کا نشہ ہوگا اور اپنے خیالات کو آزاد پائے گا۔ پھر ضرور تم کو قتل کرڈالے گا۔ کچھ بھی احسان کا خیال نہ کرے گا۔ دیکھو یہی موقع ہے پھر پچھتاؤ گی۔

عصمت۔ اچھا تو تم قتل کرو۔ میں بھی اپنے کو مارے ڈالتی ہوں۔

میر مدن۔ (مجبور ہوکر) تو پھر میر مدن کی زندگی پر خاک ہے جب تم ایسا ارادہ کرو لیکن سنو میں تم سے ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ ایک گھوڑا اور تیار کراؤ اور تم بھی میرے ہمراہ سیدھی مرشدآباد چلی چلو۔ ورنہ ہرگز زندہ نہ رہوگی۔ یہ کسی طرح نہ چھوڑے گا اور وہاں تمہیں کچھ خوف نہیں۔

عصمت۔ (سوچکر) میر مدن سوائے اسکے تم اور کسی تدبیر سے میرے بھائی کو رہا نہیں کرسکتے۔ کیا مجھے یہ منظور کرنا پڑے گا۔

میر مدن۔ ہاں مجھے یہ منظور نہیں کہ تم میرے لئے مار ڈالی جاؤ۔ تمہیں ماننا پڑے گا

عصمت۔ اچھا مجھے منظور ہے۔

یہ سنکر بہادر میر مدن کے چہرہ سے خوشی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ مسکراہٹ آہی چلی۔ اور شوکت جنگ کی مشکیں خوب کسکر باندھ دیں اور چلانے کے خیال سے منہ میں دئے ہوئے کپڑہ کو اور بھی مضبوط کردیا۔ اس کے بعد یہ سینہ سے اتر آیا۔ چونکہ گھوڑا بھی تیار ہوکر آگیا تھا۔ اور اس کو جلدی بھی تھی عصمت النسا کو اپنے ہمراہ لیکر باہر نکلا اور یہ دونوں گھوڑوں پر بیٹھکر روانہ ہوگئے۔ شوکت جنگ اوسی طرح کمرہ میں پڑا رہا جسے ایک خواص نے عرصہ کے بعد آکر اوٹھایا اور مشکیں کھول دیں۔

بیسواں باب

میرمدن تم قید نہ ہوگئے تھے

جھیلا نہ جائے خانہ خرابی کے طور سب
آجا ناہٹ یہ اس دل بے اختیار کا

دیکھئے تو وہ کسکا عظیم الشان لشکر بحر مواج کی طرح موجیں مارتا ہوا چلا آتا ہے۔ اسکے آگے آگے جو افسر ہیں وہ کچھ تو آشنا سا معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں ایک تو اس میں سے موہن لال ہے اور دوسرا میرجعفر اور وہ ہاتھی پر سراج الدولہ ہی تو بیٹھا ہے۔ یہ فوج پورنیہ کے قریب پہونچ گئی ہے۔

پورنیہ اب صرف دو کوس رہگیا ہے۔ ابھی تک قیام کا حکم نہیں ملا ہے کہ سامنے سے دو سوار بڑی تیزی سے آتے معلوم ہوئے اور جو اس آنے والی فوج کو دیکھکر دوسری طرف مخاطب ہوگئے۔ سراج الدولہ نے ان دونوں کو دیکھ لیا۔ اور فوراً اپنے سواروں کو انکی گرفتاری کا حکم دیا۔

ان دونوں سواروں میں سے ایک کے منہ پر نقاب پڑی ہے اور انداز سے عورت معلوم ہوتی ہے۔ اور دوسرا کوئی منچلا بے خوف نوجوان شخص ہے جس کی وضع بالکل سپاہیانہ ہے۔ غرض سواروں نے جاکر روکا مگر صورت دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ تو ہمارا جنرل میرمدن ہے۔ اب میرمدن کو بھی معلوم ہوگیا کہ یہ میرے مالک سراج الدولہ کی فوج ہے جس سے وہ خوش ہوا اور اس نقاب پوش سوار کیطرف جو دراصل میں عصمت النسا تھی اور جو اپنی جان کے خوف اور اوس کے امرار سے شوکت جنگ کو چھوڑکر ساتھ چلی آئی تھی مخاطب ہوا۔

میرمدن۔ پیاری خدا کا شکر کرو کہ ہم اپنی فوج میں بلا کسی زحمت کے پہونچ گئے۔ دیکھو وہ سامنے ہاتھی پر میرا مالک سراج الدولہ رونق افروز ہے۔

اب میرمدن معہ عصمت النسا کے سراج الدولہ کے پاس پہونچ گیا اور فوجی قواعد کے مطابق نہایت جھککر سلام کیا۔ سراج الدولہ نے بھی خندہ پیشانی سے اسکا جواب دیا اور نہایت تعجب سے اسکی طرف دیکھکر پوچھنے لگا۔

نواب۔ میرمدن تم قید نہ ہوگئے تھے۔

میر مدن۔ ہاں خداوند نعمت۔ مگر حضور کے اقبال سے پھر چھوٹ آیا۔

نواب۔ آخر کس طرح۔

میر مدن۔ (انگلی سے عصمت النسا کی طرف اشارہ کرکے) اسی سوار کی بدولت۔

نواب۔ ہاں وہ ہے کون۔ اُس نے تمہیں کیوں رہا کیا۔

میر مدن۔ حضور یہ عصمت النسا بیگم شوکت جنگ کی ہمشیرہ ہیں۔

نواب۔ (تعجب سے) اسیر تمہارا دست رس کیونکر ہوا۔

میر مدن۔ خداوند۔ میں اسکے محل کے سامنے بلکہ اس کے ملحق ایک کمرہ میں قید کیا گیا تھا۔ اوس قید خانہ میں ایک روشندان تھا جسکے قریب جاکر میں نے جھانکا۔ اتفاق سے اسکی نگاہ مجھپر پڑگئی اور رحم کھاکر اس نے مجھے اپنے پاس ایک خواص کی معرفت بلا لیا۔ عین اُسی وقت جبکہ میں اُسکے پاس بیٹھا تھا باتیں ہو رہی تھیں ایک خواص نے شوکت جنگ سے اس واقعہ کو کہدیا اور وہ نہایت غصہ میں آگیا جیسے ہی اس نے قتل کے ارادے سے اُس کمرہ میں قدم رکھا۔ میں نے حضور کے اقبال سے اُسے زیر کیا اور قتل پر مستعد ہوگیا۔ لیکن اسکی بہن نے مجھے روکا اسکو باندھکر میں اسکے ساتھ روانہ ہوگیا۔

نواب۔ یہ کب کا واقعہ ہے۔

میر مدن۔ خداوند کوئی ایک گھنٹہ قبل کا۔

نواب۔ (خوش ہوکر) شاباش۔ اُس ملعون کو اچھی سزا دی۔ آخر اوسکو اپنی دریدہ دہنی کی سزا مل گئی۔

میر مدن۔ خداوند نے وہ قصہ تو سنا ہی ہوگا۔ جس طرح میں گرفتار کیا گیا تھا۔

نواب۔ نہیں مطلق نہیں۔ بیان کرو۔

میر مدن۔ میں نے دربار میں پہونچکر اوسکو بہت حقیر نگاہوں سے دیکھا اور اوسکی یہ فضیحت کی اس سے وہ ناخوش ہوا اور اوٹھکر دوسرے کمرہ میں جاکر آٹھ آدمیوں سے میرے گرفتار کرلینے کا حکم دیکر واپس آیا۔ میں اُسی طرح بیٹھا تھا کہ پشت کی طرف سے رسیوں کے حلقوں نے مجھے مجبور کردیا اور اس دغا سے میں قید کیا گیا۔

نواب۔ مرحبا۔ دشمن سے ایسا ہی بدلہ لیتے ہیں۔

میر مدن۔ یہ سب حضور کا اقبال تھا ورنہ میں تنہا دشمن کے قبضہ میں ہوکر کیا کرسکتا تھا۔

اب سراج الدولہ کے حکم سے یہیں خیمہ استادہ کر دئے گئے فوجیں اوتریں۔ اُس وسیع میدان میں لشکریوں کے مجمع سے دور تک آدمی ہی آدمی نظر آنے لگے۔ چونکہ اس وقت بہادر میر مدن بھی آگیا جس سے فوج کا دل بڑھ گیا۔ اور اپنے افسر کی موجودگی سے دلی جوش زیادہ ہوگیا۔ اسکی وجہ یہ بھی کہ میر مدن کی ماتحتی میں چند مرتبہ فوج لڑ چکی ہے اور اوسکی بہادری کا تجربہ ہو چکا ہے۔ سپاہیوں نے خیال کر لیا کہ اب شوکت جنگ کی فوج سے خوب دل کھولکر لڑیں گے اور اپنے افسر سے داد جوانمردی لیں گے۔

شوکت جنگ کو بھی سراج الدولہ کے آنے کی خبر مل گئی اور اوس نے بھی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ صبح ہوتے ہوتے فوج مسلح ہوکر سامنے آگئی۔ جسے لیکر وہ سراج الدولہ کے مقابلہ کے لئے چلا۔ مگر اوس سے یہ پہلی غلطی ہوئی کہ اوس نے اپنی فوج ایک دلدل کے پشت پر کھڑی کی۔ جو اُس کے لئے حد درجہ مضر تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُسکی لشکر میں کوئی لائق اور تجربہ کار جنرل نہ تھا اور وہ خود بھی جنگی قواعد سے بالکل بے بہرہ تھا۔

تھوڑی دیر میں دونوں فوجیں صفیں باندھکر سامنے آگئیں۔ سراج الدولہ کی فوج مثل آہنی حصار کے کھڑی ہوئی نہایت جوش کے ساتھہ شوکت جنگ کی فوج کو دیکھ رہی تھی جس میں سوائے ابتری کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا مگر باوجود اس بدنظمی کے بھی وہ سب اس جرار فوج کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ افسران فوج اپنے دستہ کے آگے گھوڑوں پر سوار اُس وقت کے منتظر تھے کہ ہمارا سردار حکم دے تو لڑائی شروع کر دیں۔

سراج الدولہ نے یہ کیفیت دیکھکر موہن لال کو اپنے پاس بلا لیا اور اوس سے کچھ کہا جسکے واپس جاتے ہی قلعہ شکن توپوں کی خوفناک آوازوں سے میدان میں تہلکہ پڑ گیا چشم زدن میں وہ سناٹا مٹ گیا۔ اور دھوئیں سے تمام میدان بھر گیا۔ گولوں نے سپاہیوں کو پیام اجل پہونچانا شروع کیا دونوں طرف سے متواتر گولے چلنے لگے۔ مگر جس تیزی اور مستعدی سے سراج الدولہ کی فوج سے گولہ باری ہوئی تھی ویسی پھرتی کا شوکت جنگ کی فوج میں نام بھی نہ تھا۔ دشمن کے متواتر گولوں کا نہایت سُستی اور کاہلی سے جواب دیا جاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ہر مرتبہ صفیں درہم برہم ہو جاتی تھی گولی نہایت تیزی اور سنسناہٹ کے ساتھہ طرفین سے چل رہی تھی اور توپوں کی ہیبتناک گرج بڑے بڑے بہادروں کا بھی دل ہلائے ڈالتی تھی۔ مُردے زمین پر تڑپ رہے تھے طرفین کے گولہ انداز بھی چاہتے تھے کہ دشمن کی فوج میں ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچنے پائے۔

عرصہ تک لڑائی اسی طور سے ہوتی رہی مگر کسی طرف شکست کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ آخر شوکت جنگ عین اوسی حالت میں ہاتھی سے اوترا اور خیمہ میں چلا گیا۔ اسکا اسوقت خیمہ میں جانا کسی اور خیال سے نہ تھا بلکہ اوسکا نشہ اوکھڑ گیا تھا اور جمائیاں لے رہا تھا۔ خمار سے سخت تکلیف ہو رہی تھی اور یہاں اوسکا اب جی نہ لگتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب خوب نشہ جم لے تو میں آؤں اور جب تک کچھ دیر جلیسوں اور حسینوں سے دل بہلائیں۔ بندوقوں کی خوفناک آوازیں اوسکو اور بھی پریشان کر رہی تھیں۔ اور اسی وجہ سے وہ اپنا دل بہلانے اور لطف صحبت اوٹھانے کے لئے خیمہ میں چلا گیا تھا۔ اوسوقت اوسکو یہ بھی خیال تھا کہ بغیر سرور کے لطف جنگ کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے خیمہ میں داخل ہوتے ہی جام شراب پینا شروع کیا۔

شوکت جنگ کا ایک فوجی افسر جو نہایت مستعدی سے اپنی فوج کو لڑا رہا تھا اوسکو ہاتھی پر نہ پاکر نہایت گھبرایا اور فوج کو لڑنے کی تاکید کرکے بہت کچھ ڈرا بہلا کہتا ہوا خیمہ میں داخل ہوا جہاں شوکت جنگ شراب پیکر نشہ جما رہا تھا۔ گزک کا دور چل رہا تھا۔

افسر۔ (برہم ہوکر) خداوند نعمت کی دانست میں کیا جنگ کا فیصلہ ہوگیا۔

شوکت جنگ۔ (نشہ میں) اور میں بیٹھا کہاں ہوں۔

افسر۔ یعنی یہ میدان جنگ تو ہے مگر ایسے خاص موقع پر شریک رہنا چاہیے اس سے سپاہیوں کا دل بڑھتا ہے اور ہمت ہوتی ہے۔

شوکت۔ ہم نے تم لوگوں کی وفاداری پر چھوڑ دیا ہے جاؤ لڑو۔

یہ افسر اپنے اس مہمل فقرے پر سخت متنفر ہوا۔ مگر ایسا موقع نہ تھا کہ کچھ کہتا۔ صرف ایک مرتبہ کوشش کے خیال سے اور کہا۔

افسر۔ اگر خداوند نعمت شریک نہ ہونگے تو ہم سب بھی چلے جاوینگے۔

شوکت۔ تم لوگ بھی چلے جاؤ گے۔

افسر۔ پھر جب ہمارا مالک ہی ہماری بہادری کی داد دینے کے لئے موجود نہ رہیگا تو کیونکر دل بڑھ سکتا ہے۔

شوکت۔ اچھا اچھا میں چلتا ہوں مجھے تمہاری خاطر منظور ہے۔

یہ کہکر اوس نے اوٹھنے کا قصد کیا مگر قدم نشہ کی وجہ سے نہ اوٹھتے تھے جسم قابو میں نہ تھا۔ اس کا یہ حال دیکھکر اوس افسر کو غصہ آیا اور اوس نے چاہا کہ تلوار کا ایک ہاتھ لگا کر یہیں اوسکا خاتمہ کر دے۔ مگر

بے موقع خیال کرکے اُس نے چند ملازمین کو بُلایا جنہوں نے بغل میں ہاتھ دیکر بمشکل ہاتھی پر سوار کیا اور وہی افسر اسے لیکر پھر جائے موقع پر آیا۔ فوجیں سابق دستور لڑ رہی تہیں۔ لاشوں کی تعداد لحظہ بہ لحظہ زیادہ ہوتی جاتی تہی۔ اور زخمیوں کے کراہنے سے دونوں طرف کے سپاہی بدلہ لینے کے لئے جان بحکر وار کر رہے تہے کہ شوکت جنگ نے اوسی نشہ کی حالت میں اپنے سواروں کو حملہ کا حکم دیا۔ سوار حکم پاتے ہی آگے بڑہے۔ مگر چونکہ آگے ہی دلدل تہا گھوڑوں کے پاؤں دہنسنے لگے اور اکثر سوار بہی جہونکا کہا کر گر پڑے۔ صفیں بالکل ابتر ہوگئیں۔ اور گھوڑوں نے جب زور کرکے نکلنا چاہا تو اون کی سموں سے کیچڑ اوڑ اوڑ کر تمام سپاہیوں کی وردی پر پڑنے لگی جسے دیکھکر سراج الدولہ کے سپاہی ہنسنے لگے۔

غرض بمشکل تمام وہ سب دلدل سے نکلے اور آگے بڑہنے کا قصد کیا ہی تہا کہ میر مدن اپنے جرار سپاہیوں کو لیکر آپہونچا اور اُنکے دو حصے کرکے دو جانب سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ موہن لال نے بہی اپنے سپاہیوں کو سامنے سے حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔ ایسے وقت بندوقیں بہی بند ہوگئیں اور سواروں نے نیزوں اور تلواروں سے لڑنا شروع کیا۔

میر مدن بڑے زور و شور سے دشمنوں کو دونوں جانب سے گہیرے ہوئے ہے۔ نیزے کی نوکیں جو حریف کا کلیجہ توڑ کر نکلی ہیں خون سے سُرخ ہو رہی ہیں نہایت آب و تاب سے تلواریں بجلی کیطرح چمک رہی ہیں۔ اس وقت نزدیک کی لڑائی یعنی جنگ مغلوبہ ہو رہی ہے اور ہزارہا بسمل خوار کہا کر زمین پر اپنے خون میں لوٹ رہے ہیں۔

جب شوکت جنگ نے اپنے سواروں کا یوں خاتمہ ہوجاتے دیکہا تو پہر اس نے گولہ باری کا حکم دیدیا۔ یہ مطلق نہ سمجہ سکتا تہا کہ فوج کی اس وقت کیا حالت ہے اور وہ کیا چاہتی ہے۔ اگر اسکو کسی شئے سے تسلی ہوتی تہی تو وہ شراب خوری اور حسن پرستی تہی۔ میر مدن اور موہن لال تو اپنی بہادری اور جاں نثاری کی داد دیچکے تہے اب صرف توپ کی لڑائی تہی۔ گولہ انداز ہی جانتے تہے کہ ہم جلد اس لڑائی کا خاتمہ کردیں یا شوکت جنگ مارا جائے یا گرفتار ہوجائے۔ اوسی وقت جبکہ غضب کی لڑائی ہو رہی تہی ایک گولا شوکت جنگ کو لگ گیا۔ سر جسم سے الگ علحدہ ہوگیا۔ غرض شوکت جنگ کے مارے جاتے ہی فوج بہاگ کہڑی ہوئی۔ سپاہیوں کو بہاگتے دیکہکر میر جعفر میر مدن اور موہن لال نے اپنی اپنی فوج بڑہائی اور اُنکے قریب پہونچ گئے ادہر کے افسروں نے تہوڑی دیر میں فوج نہ روک سکی کیونکہ ان کا افسر قتل ہوچکا تہا اب اُنکی جاں فشانی کی کوئی وجہ نہ تہی۔ کچہ دیر میں سب کے سب

گرفتار کر لئے گئے اور سراج الدولہ کو یہ دوسری فتح حاصل ہوئی۔
اس ٹھیک ۱۱ بجے تھے آفتاب کی حدت سے مردہ سپاہیوں کے خون سے سرخی مائل غبار بلند ہو کر آسمان کی طرف جا رہا تھا بجا خون کے تھلے جم گئے تھے۔ ہزارہا لاشیں زمین پر پڑی نہیں زیادہ زخمی تو مر گئے مگر کچھ جنکو ہلکی سی چوٹ آئی تھی پڑے ہوئے کراہ رہے تھے جنکو سراج الدولہ نے فوراً اٹھوا کر اسپتال میں بھجوا دیا۔ اور لاشیں دفن کرا دی گئیں۔ اس فتح کی خوشی میں سراج الدولہ نے پورنیہ میں داخل ہوتے ہی اوسی شب کو عصمت النسا کی شادی بھی میر مدن کے ساتھ کر دی۔ اور خود کچھ دنوں قیام کر کے معہ میر مدن اور عصمت النسا کے مرشد آباد واپس آیا۔

اکیسواں باب ۲۱

موہن کی شادی

وصل کی شب ناز معشوقانہ دکھلائی بہت مینے چھیڑا بھی نہیں لیکن وہ شرمائی بہت

جاڑے کا پیارا موسم دوپہر کا وقت ہے۔ کشنداس اپنے آرام گاہ میں بیٹھا ہوا ایک کمسن اور حسین عورت سے باتیں کر رہا ہے جسکو عرصہ سے اوس کی زوجیت کا حق حاصل ہو چکا ہے اور جسکا نام جسودہ بائی ہے۔

واقعی خیال ایک ایسی شے ہے کہ ایک لمحہ بھی انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ اس کی کرشمہ سازیاں زمانہ سے جدا ہیں اسکی برقی قوت مسمریزم کا کام کرتی ہے۔ قادر مطلق کی طرف سے جتنا وسیع میدان اسکو ملا ہے کسی دوسری شے کو نہیں ملا۔ اسکے میں برے اور بھلے دونوں پہلو موجود ہیں اور اسی سے شرافت اور کمینگی کا ثبوت دیا جاتا ہے یہ عام قاعدہ ہے کہ جب انسان کو کسی امر کا خیال پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اوسوقت تک اوسی دھن میں رہتا ہے جب تک اوسے پورا نہیں کر لیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خیال بیتابی اور اضطرار کا ہم پہلو گنا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ اثر اسکا تو وس شخص پر پڑتا ہے جو شب تاریک میں منہ لپیٹے کسی جان لینے والے کی فرضی تصویر سے باتیں کیا کرتا ہو یا جو شب وعدہ کسی کے انتظار میں بیقرار ہو کر ٹہل رہا ہو قیامت تو اوسوقت ہوتی ہے جب یہی خیال کسی آنے والے زمانہ کے انتظار میں انسان کو گھیر دیتا ہے۔ ہر دم الجھن سی رہتی ہے اور کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ یہی حالت اس وقت کشنداس کی بھی ہے خدا جانے کس خیال نے اسکو اسقدر پریشان کر رکھا ہے۔ اچھا آئیے اسکی باتیں تو سنیں۔

کشنداس۔ کیوں جی اس وقت تک تم نے اُن باتوں کا جواب نہیں دیا۔

جسودہ بائی۔ میں کیا جواب دوں تم خود عقلمند ہو اپنا نیک و بد سمجھ لو۔ یہ نہ ہو کہ بعد کو پچھتانا پڑے۔

کشنداس۔ ایسا تو نہیں معلوم ہوتا۔ موہن لال بات کا بڑا دہنی ہے۔

جسودہ۔ اگر تم کہو تو میں جیبا سے بھی اسکا جواب لوں کہ وہ بھی اُسکے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہے یا نہیں۔

کشنداس۔ اسکی ضرورت نہیں۔

جسودہ۔ مگر اس کا ذکر کیونکر کیا جائے۔

کشنداس (ایک خط نکالکر) دیکھو یہ موہن لال کا خط ہے جس میں اُس نے اس معاملہ میں مجھسے درخواست کی ہے بس ابھی کا جواب لکھکر بھیجدیا جائے۔

جسودہ۔ ہاں یہی کرنا چاہیئے۔

اسی عرصہ میں باہر سے کسی نے پکار کر کہا۔ سرکاری چوبدار آیا ہے۔ کشنداس اوٹھکر باہر چلا گیا اور خط پڑھکر دربار روانہ ہو گیا۔ کیونکہ سراج الدولہ نے اوسیوقت بلایا تھا۔ اُس وقت سراج الدولہ دربار کی عجب حالت ہے کل راکین سلطنت نہایت خوشی سے بیٹھے ہوئے اس فتح کے حالات بیان کر رہے ہیں۔ موہن لال ست ادب جوڑے سامنے کھڑا ہے۔ سراج الدولہ ہنس ہنسکر میٹھا باتیں کر رہا ہے۔

نواب۔ موہن لال بیٹھتے کیوں نہیں۔ تمہارا کھڑا رہنا مجھپر جبر ہے۔

موہن۔ حضور جب تک منظور نہ فرمائیں گے میں یہاں سے ہرگز نہ ہٹوں گا۔ بس آج حقیر کو گذشتہ خدمتوں کا صلہ ملنا چاہیئے۔

نواب۔ اچھا بیٹھو۔ میں نے منظور کیا جسطور سے ممکن ہوگا کشنداس راضی کیا جائیگا۔"

یہ سنکر موہن لال آداب کرکے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ دو چار لمحے گذرے ہونگے کہ کشنداس دربار میں حاضر ہوا اور نہایت تعظیم کے ساتھ سلام کرکے کھڑا رہا۔ اور پھر نواب کے اشارہ سے آداب کرکے بیٹھ گیا۔

کشنداس۔ غلام خود حاضر ہونے کو تھا کہ اس عرصہ میں حضور کا صحیفۂ عالی پہونچ گیا معافی کا خواستگار ہے۔

نواب۔ آج تمہیں میری ایک بات ماننی ہوگی جسکے لئے تم بلائے گئے ہو۔

کستنداس۔ بھلا غلام کی مجال ہے کہ حضور کے حکم میں کچھ عذر کرے۔ کیا کوئی ملکی کام ہے۔
نواب۔ نہیں وہ ملکی انتظام سے علاوہ ہے اس میں صرف تمہاری خوشی درکار ہے اور میں اُس میں تم پر جبر کرنا نہیں چاہتا۔
کستنداس۔ کچھ ہی کیوں ہو حضور ارشاد فرمادیں۔
نواب۔ صرف یہی کہ تم اپنی چھوٹی بہن گیتا سے موہن لال کی شادی کردو جسکی وجہ سے تمہاری جاں بخشی کی گئی ہے۔ اُسکے تم پر بڑے احسانات ہیں۔
کستنداس۔ (کچھ دیر غور کرکے) حضور فرماتے ہیں تو مجھے بھی بدل منظور ہے۔
نواب۔ اچھا تو آج کے آٹھویں دن یہ رسم ادا ہوجائے اور اُسکے لئے تم کو اپنجانب کے خزانے سے بیس ہزار روپیہ دئے جاتے ہیں۔ اس سے تم شادی کا انتظام کرلو۔
کستنداس اُٹھکر آداب بجالایا اور اپنے مکان کو روانہ ہوگیا۔
ایک ہفتہ کے بعد موہن لال کی بارات دہوم دہام سے نکلی اور موہن لال دولہا بنا ہوا کستنداس کے مکان پر پہونچ گیا ایک آراستہ مکان میں بارات ٹھرائی گئی موہن مسند پر نوشہ بنا بیٹھا تھا کہ اتنے میں سراج الدولہ کی سواری بھی پہونچ گئی لوگ اُٹھے اور تعظیم سے سامنے لاکر ایک تخت پر جو پیشتر سے آراستہ تھا سراج الدولہ کو بٹھلا دیا۔
سراج الدولہ کے یہاں آنے کی یہ وجہ ہے کہ موہن لال کو یہ بہت عزیز رکھتا ہے اور جس نے محض اپنی عزت افزائی کے خیال سے اسکو اپنی شادی میں شریک ہونے پر مجبور کیا ہے۔ آپ لوگ اس مقام پر یہ خیال کریں گے کہ سراج الدولہ کس وجہ سے موہن لال کی اسقدر قدر کرتا ہے مگر اسکا حال ہی ناول کے آخر باب میں ظاہر ہوجاویگا اور اسوقت آپلوگ سمجھ جائیں گے کہ نواب سراج الدولہ درصل موہن لال سے انس رکھتا تھا یا کسی امر کا خوف تھا۔ غرض تھوڑی دیر کے بعد سراج الدولہ کے حکم سے موہن لال کے مذہبی فرائض جو ایسے وقت میں ضروری ہیں ادا کردئے گئے یعنی شادی ہوگئی۔ اُسکے بعد سراج الدولہ تخت سے اُٹھا اور پھر اپنے دارالعمارت کی طرف چلا گیا۔
یہاں رات بھر محفل رقص و سرود گرم رہی اور صبح ہوکر خوش قسمت موہن لال کسی سراپا ناز کا ڈولا لیکر اپنے مکان کو واپس گیا۔ بارات رخصت ہوگئی۔ مگر وہ دن جس طرح موہن لال پر کٹا اُسکا بیان ہماری قلم سے باہر ہے۔
غرض خدا خدا کرکے نوشاہ فلک عروس شب کے در پر پہونچ گیا۔ دن کٹ گیا رات ہوئی موہن لال

اب اس انتظار میں بیٹھا ہوا گھڑیاں گن رہا ہے کہ کوئی بلانے آئے تو محل میں جاؤں۔ شب کے نو بجتے ہی ایک نوجوان عورت اندر سے نکلی اور موہن لال کو اپنے ہمراہ لیکر واپس گئی یہ عروسی کمرہ میں پہونچا دیا گیا۔
کیوں ناظرین اس وقت موہن لال کے قلب کی کیا کیفیت ہوگی۔ یہ نہایت شوق کے ساتھ اُس پلنگ پر بیٹھ گیا جس پر اس کی پیاری چمپا دولہن بنی ہوئی خاموش لیٹی ہے۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی لگی ہے۔ مسی کی اودا ہٹ اُن لب رنگیں کی سجاوٹ کو اور چمکا رہی ہے جس پر پان کی سرخی پہلے سے اپنا رنگ جما چکی تھی۔ لباس عروسی جو عطر میں خوب بسا ہوا ہے موہن لال کا دل بیچین کئے ڈالتا ہے۔ غرض کچھ دیر تو یہ اسی طرح خاموش بیٹھا اُس کے قدرتی حسن کی بہار دیکھا کیا۔ لیکن پھر خدا جانے اسکے ہجر کشیدہ دل سے تمنّاؤں نے کیا کہا کہ اس نے کسی شرمیلی پری کے رُخ روشن سے دوپٹہ کا آنچل ہٹایا اور صورت دیکھنی چاہی آنچل کا ہٹنا تھا کہ کسی نے حیا سے آنکھیں بند کرلیں اور کروٹ پھیر گئی۔ مگر اب ہمارا پیارا کب ماننے والا ہے۔ یہ بھی ادھر سے اٹھکر دوسری طرف جا بیٹھا اور پھر چھیڑنا شروع کیا۔ جسپر کوئی غصہ سے بولا دیکھو چھیڑو نہیں سونے دو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔
موہن۔ اُف پیاری یہ کیا کہا۔ لِلّٰہ اب تو آنکھیں کھولو اور کچھ باتیں کرو۔ دیکھو میں کب سے تمہارے فراق میں تڑپ رہا ہوں۔ ایک زمانہ گذر گیا۔ اب تو رحم کرو۔ آخر صبر کرنے کی کوئی انتہا بھی ہے۔
چمپا۔ (کروٹ لیکر) ابھی کچھ دن اور صبر کرو۔
موہن۔ (ہاتھ جوڑکر) پیاری اب تو صبر نہ ہوگا۔ برائے خدا اُٹھو کچھ باتیں کرو۔ دیکھو میرا دل اندر سے بھرا آتا ہے۔
یہ سنکر مجبوراً چمپا نے رُخ سے آنچل ہٹایا اور کہنے لگی۔
چمپا۔ کہو کیا ہے۔
اس موقع پر موہن لال نے اور تو کچھ نہ کہا مگر مسکرا کر یہ شعر پڑھا ؎
حیا کو پہلے تم آنکھوں سے اپنی دور کرو　　　تو پھر بتائیں کہ ہے دل میں میرے حسرت کیا
اور پھر فوراً ہی اسکی نازک کلائی پر ہاتھ ڈالدیا۔ ہر چند چمپا نے خفگی بھی دکھائی تیوریاں بھی چڑھائیں مگر اس وقت خدا جانے موہن لال کو کیا ہو گیا ہے کہ ذرا بھی خوف نہیں

کرتا۔ اسے پیچھے اُس نے چراغ کی روشنی بھی کم کر دی۔ اب ٹھہرنے کا موقع نہیں۔ آئیے ہم آپ بھی رخصت ہوں۔

بائیسواں باب ۲۲

نتیجہ

دعا گئی جو مری تلملا کے عرش تلک
در قبول فرشتوں نے جلد باز کیا

اب ہم اپنے ناظرین کو مسٹر ڈریک اور اُن کی ہم قوموں کی حالت سے مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ کلکتہ سے بھاگنے کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ مسٹر ڈریک نے مدراس میں جہاں انگریزی فوج کا ہیڈکوارٹر تھا اور جو بہ نسبت کلکتہ کے عرصہ سے اُنکے قبضہ میں تھا خط لکھا وہاں کے گورنر نے یہ سنکر ایک بیڑہ جہاز کا تیار کیا اور اوسکا افسر امیر البحر مسٹر واٹسن کو مقرر کرکے روانہ کیا۔ پھر اسکے بعد ایک دوسری پیدل فوج مسٹر کلائیو کی ماتحتی میں بھیجی۔ یہ دونوں فوجیں دو ہفتہ میں کلکتہ پہونچے اور آتے ہی صبح کو قلعہ کے سامنے آگئے۔

یہ تو ہمارے ناظرین جانتے ہیں کہ سراج الدولہ نے مانک چند کو کلکتہ کا ناظم مقرر کیا ہے وہ اس فوج کی آمد سنکر جنگ پر مستعد ہو گیا اور فصیل قلعہ کی مضبوطی کرکے وقت کا منتظر تھا اگر اوسیوقت وہ پیشقدمی کرکے لڑائی شروع کر دیتا تو اوسکے لئے نہایت مفید ہوتی لیکن اُسکا انتظار کرنا خرابی اور بربادی کا باعث ہو گیا۔ اس لئے کہ انگریزی فوج نے اپنی حفاظت کے مقامات تجویز کر لئے اور زد کا موقع ڈھونڈھ لیا۔

مسٹر کلائیو آخر میں اپنی وفاداری کے صلہ میں لارڈ کے معزز خطاب سے سرفراز کئے گئے۔ اُنہوں نے جب ہر طور پر اپنی درستگی کر لی تو لڑائی شروع کر دی۔ جسکا بہت استقلال کے ساتھ مانکچند نے جواب دیا۔ مگر اُسکے پاس وقت اتنی فوج نہ تھی کہ انگریزی فوج کا مقابلہ کرتا بہرحال مجبوراً وہ دو ایک روز تک لڑتا رہا اور انگریزی فوج کو قلعہ میں نہ آنے دیا۔ ایکروز جبکہ لڑائی ہو رہی تھی تو ایک گولہ سنسناتا ہوا اُسکے کان کے پاس سے نکل گیا جس نے اُسکی استقلال کو مٹا دیا اور یہ خیال کرنے لگا کہ کسی دن کوئی گولہ ضرور میری جان لیگا۔ یہ سوچتا تھا کہ اُسکی ہمت چھوٹ گئی اور یہ قلعہ سے بھاگ کر سیدھا مرشد آباد آیا۔ اور اس طور سے دوبارہ انگریزی فوج قلعہ میں داخل ہوئی۔ مانک چند راہ میں سوچتا تھا کہ نواب سے کہکر پھر انکو سزا دینی چاہئے۔

نواب سراج الدولہ کو نانکچند کے شکست کی خبر پہونچی وہ سنتے ہی آگ بگولا ہوگیا۔ فوراً اپنی فوج کی روانگی کا حکم دیا۔ میر مدن طلب کیا گیا۔ ۲۰ جنوری کو اسکی فوج نے ہوگلی کو پار کیا اور دوسری فروری کو وہ کلایو کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوا۔ دونوں فوجیں جنگ کے لئے مستعد ہوگئیں۔

سراج الدولہ کی کثیر فوج دیکھکر مسٹر کلایو نے مناسب سمجھا کہ صلح کر لیجائے اور اس امر کی درخواست نواب کے پاس لکھکر بھیجی۔ مگر جوں ہی شہر میں نواب کے آمد کی خبر مشہور ہوئی تمام تجاروں نے بھاگنا شروع کیا۔

شہر کی یہ بدنظمی دیکھکر مسٹر کلایو نے خیال کیا کہ نواب کبھی صلح نہ کریگا وہ خیال کریگا کہ مجھسے سب خوف کھاتے ہیں یہ سوچ کر اس نے قلعہ سے کوچ کیا اور نواب کی فوج کے سامنے آ پہونچا اسکے آتے ہی لڑائی شروع ہوگئی اور تھوڑی ہی دیر میں مسٹر کلایو کے فوج کے ۲۲۰ آدمی مارے گئے اور کچھ زخمی ہوئے۔ اسکے بعد جنگ دوسرے روز برپا تھا کہی گئی۔ مگر اسی روز مسٹر کلایو نے صلح کا پیام بھیجا اور خدا جانے کیوں سراج الدولہ نے دیکر صلح کرلی وہ بھی اس شرط پر کہ انگریزوں کے جو اقتدارات لئے گئے تھے وہ پھر واپس کئے جاتے ہیں اور وہ روپیہ بھی جو قلعہ کے فتح کرنے کے بعد ہاتھ آیا تھا واپس کر دیا جائے گا۔ اسی زمانہ میں جبکہ صلح ہوگئی نواب سراج الدولہ نے خفیہ طور پر فرانسیسیوں سے صلاح کرلی شروع کی اور اپنی مدد کے لئے ابھارا۔ مگر اس کا حال انگریزوں پر ظاہر ہوگیا اور مسٹر کلایو کو بھی خبر پہونچ گئی۔ گو اس بارے میں طرفین سے صفائی کے لئے خط و کتابت ہوئی مگر اس سے کچھ مفید مطلب نتیجہ نہ نکلا اور آخر میں دوبارہ جنگ کی ٹھہر گئی۔ انہوں نے یہ خیال کرلیا کہ اب سراج الدولہ سے خوب دل کھولکر لڑنے کے بعد قطعی فیصلہ کرلیا جائے۔ گو اکثر انگریزی افسر اس رائے کے خلاف ہی تھے۔

مگر تقدیری امورات بھی کوئی چیز ہیں۔ اب وہ زمانہ آ چکا تھا کہ سراج الدولہ سے سلطنت مستقل ہوکر موجودہ فرمانروا کے قبضہ میں جائے۔ اسکے کل ارکان سلطنت اس سے باغی ہوگئے تھے جیسا کہ ہمارے ناول کے ناظرین نے پیشتر کے ایک باب میں دیکھا ہوگا۔ اس مرتبہ میر جعفر بھی انگریزوں سے ملگیا اور شہر کے بڑے بڑے امرانے امورات سلطنت میں دخل اندازی کے بارے میں مسٹر کلایو کو خطوط لکھے۔

مسٹر کلایو نہایت تجربہ کار اور جہاندیدہ شخص تھا فوراً ان کی تسلی کے لئے پوشیدہ طور سے

مرشدآباد پہونچ گیا۔ آدمچند سیٹھ اور میرجعفر کے علاوہ اکثر روساء شہر جمع ہوئے کہ
سراج الدولہ کے اس ظلم و جور کا بندوبست کیجئے جس سے مسٹر کلایو کو یقین ہو گیا
باوجود غیر قوم ہونے کے انکا حکم پوری طور پر مانیں گے۔ اب مسٹر کلایو پھر کلکتہ لوٹ
قبل یہ اسطے ہو گیا تھا کہ میر جعفر لڑائی کے وقت اپنے جنگجو سواروں کو
خاموش کھڑا رہے اور کسی قسم کی مداخلت نہ کرے جب لڑائی فتح ہو
سراج الدولہ کی جگہہ پر صوبہ دار مقرر کیا جائیگا۔ اور بنگال
کریگا اب رہ گیا اومیچند۔ اس سے مسٹر کلایو نے یہ وعدہ کیا
میں سے فیصدی پانچ روپیہ اسکو دیا جائیگا۔
مگر جب مسٹر کلایو مرشدآباد آیا تو اومیچند کی خواہشات
تیس روپیہ فیصدی وصول کرنے کا وعدہ لینا چاہا۔ ا
سے مرشدآباد جا کر خبر دیگا جسسے مسٹر کلایو کے لئے خرابی
واقعی یہ مسٹر کلایو کے لئے نہایت نازک موقع تھا او
جاسکے۔ مگر اوس کی خوش قسمتی سے اس ناز
ایک سرخ کاغذ پر اومیچند کے خواہش کے مطابق
ایک دوسرے سفید کاغذ پر صرف اومیچند کا
معلوم تھا کہ اومیچند پر اور نواب دونوں کا د
ان سب خفیہ کارروائیوں اور مستحکم بندوبست
کچھ پرواہ باقی نہ رہی اور اوس نے
کو ایک خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا۔

نواب سراج الدولہ۔
تم نے انگریزوں کے ساتھ بڑا ظلم کیا۔ تم
کی حالت خراب ہو رہی ہے اور تم تخت پر
مغلوب کرنے کے لئے خود آؤں اور تمہا
راقم

روالہ کو یہ خط ملا۔ لیکن افسوس ہے کہ اب سوائے موہن لال اور میر مدن کے تیسرا
سی خواہ نہ تہا جو اوسکو اس خط کا نیک و بد پہلو سمجہاتا۔ اور یہ دکہلاتا کہ مسٹر کلائیو نے
بہر یہ خط لکہنے کی جراُت کی ہے۔
ن جانتے ہیں کہ لڑائی کے لئے سراج الدولہ بہت جلد مستعد ہو جاتا تہا اور
کب ہوتا۔ چنانچہ اس مرتبہ بہی اس نے ایسا ہی کیا اور فوراً بلا سمجہے

ہے جس سے بنگال کی قسمت پر زوال آگیا یعنی ۱۷۵۷ء
درج ہوگئی۔ سراج الدولہ کی فوجیں درست ہوکر میدان کارزار
گیا۔ مگر افسوس اُن بیچارے جانباز سپاہیوں کو یہ نہیں
انجام کرنے کو ہے اور بنگال کی زمین کا وہ اوج

ہے۔ اور دو فوجی افسر خاموش سر جہکائے سامنے
ہے جو حکمنامہ پہونچتے ہی حق نمک ادا کرنے کے
میر مدن کے قبل ہی سے اپنی نئی بی بی کو
ئے مستعد ہوگیا ہے۔ سراج الدولہ اب میدان
ے خطا پایا اور جنگ دوسرے دن پہ

ں بہادر افسروں سے مشورہ کیا اور وہ سمجے
ں کرتا تہا کہ مثل اور لڑائیوں کے وہ اب بہی
و فساد جاتا رہے گا۔ آرام سے زندگی
دمیں لوٹ کر جانا بہت ہی مشکل ہے

ہے سے فوجیں جنگ کے لئے مستعد ہوکر
۔ گولوں کے بوچہار کی یہ حالت تہی کہ
ں کے ہاتہہ پاؤں بیکار ہوئے

جاتے تھے کوئی تو مر گیا تھا اور کوئی موت سے مغلوب ہو کر زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ لاشوں کی ڈھیر لگ گئی تھی۔ صبح سے ۱۱ بج گئے مگر سراج الدولہ کی فوج اُسی بہادری اور جوش کے ساتھ قدم جمائے ہوئے متواتر گولہ باری کر رہی ہے ہر مرتبہ اوس کے جوش میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور یہ خیال کر رہی ہے کہ اب تھوڑی دیر میں ہم انگریزی فوج پر فتح پا جائیں گے اور میدان ہمارے ہاتھ رہے گا۔ اِس فوج کی ثابت قدمی اور بہادری سے دشمنوں کے دل میں ہراس پیدا ہونے لگا اور اونکے ہاتھ سُست پڑنے لگے مسٹر کلایو فوج کی یہ بیدلی دیکھکر گھبرا گیا اور سوچنے لگا کہ اب میری فوج بھاگا چاہتی ہے۔ البتہ اُسکو اسکا ایک امر سے کسیقدر تسکین ہوتی تھی کہ میر جعفر اپنے بہادر سواروں کو لئے ہوئے الگ کھڑا ہے جیسے اوسکو اس جنگ سے کچھ تعلق ہی نہیں صرف لڑائی کا تماشہ دیکھنے کو آیا ہے۔ اسوقت اگر میر جعفر بھی اپنے سواروں کو لڑائی کا حکم دیدیتا تو انگریزی فوج کو ایک لمحہ بھی ٹھہرنا مشکل ہوتا اور سخت دقت پڑتی۔ مگر اس سے تو معاہدہ ہو چکا تھا وہ کیوں لڑتا۔

مگر ناظرین ذرا بہادر میر مدن کو تو دیکھئے کہ وہ کس طرح بڑھتا چلا جاتا ہے اور اُس کے منہ سے یہی جملہ نکل رہا ہے۔ "بہادرو حق نمک ادا کرو" اُسکے اِس جملہ پر سپاہی دیوانے ہو ہو کر حملہ کر رہے ہیں اور غضب کا جوش پیدا ہوتا جاتا ہے۔

اُف غضب ہو گیا۔ وہ دیکھئے ہمارے بہادر میر مدن کے پاؤں میں ایک گولی لگی اور وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ مگر ساتھ ہی اُٹھا اور درد کی تکلیف کو برداشت کرکے اپنے سپاہیوں سے کہا۔ "میری پرواہ نہ کرو اور فتح کرو"۔

یہ دیکھکر چند سپاہیوں نے اُسے رو رو کر اوٹھایا اور سراج الدولہ کی ہاتھی کے پاس لے گئے میر مدن کی یہ حالت دیکھکر نواب کو سخت صدمہ ہوا اور قریب بیٹھکر کہنے لگا۔

نواب۔ میرے بہادر میر مدن آہ یہ تجھے کیا ہوا۔ میں تیری جنگ خوب اچھی طرح دیکھ رہا تھا اور موہن سے تعریف کر رہا تھا۔ صرف تیرے باعث سے مجھے فتح کی امید تھی۔ افسوس اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میری تقدیر پھوٹ گئی۔

میر مدن۔ غلام حضور کے حق نمک سے ادا ہو گیا۔ لیکن اسوقت میری ایک وصیت ہے وہ یہ کہ حضور حقیر کی چھوٹی بہن اختر النسا بیگم کو جانتے ہیں۔ اوسکا خود بخود غائب ہو جانا میرے دلپر از حد صدمہ ہوئیا۔ ہاں جیسے حضور خوب واقف ہیں۔ اگر حقیر کے بعد کہیں اُسکا پتہ ملے تو میری طرف سے

اُسے دعا کہتے بھیجے گا۔ اور ملعون سے جانے والیکو ضرور سخت سزا دیجئے گا۔

راوی۔ افسوس میر مدن اسوقت کیسے پر حسرت جملے کہہ رہا ہے۔ جسکو سنکر سراج الدولہ ایسے ظالم کا بھی دل بھر آیا اور اوس نے آنکھوں پر رومال رکھہ لیا۔

نواب۔ (آہ کھینچکر) میرے دنیا سے رخصت ہونے والے میر مدن میں تم سے معافی مانگتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم دنیا سے سفر کرتے وقت مجھے بخشتے جاؤ گے۔ سنو میں تمہاری بہن سے دلی محبت رکھتا تھا اور میں ہی نے اُسے چُپ وا منگوایا۔ چونکہ مجھے تمہاری بہادری سے خوف تھا کہ اس معاملہ میں لشکر کو برافروختہ کر کے میری جان نہ لیلو۔ اسلئے میں نے چھپا رکھا۔ اور اس کام میں مجھے موہن نے مدد دی۔ یہ سنکر میر مدن کی حالت میں کچھ تغیر پیدا ہوا۔ اور پھر کچھ بھی نہ تھا خفیف سلی بدنکو جنبش ہوئی اور روح جسم سے پرواز کر گئی۔ غرض ہمارے بہادر میر مدن کا خاتمہ ہوگیا۔

اس کے بعد نواب نے ایک سپاہی کو میر جعفر کے بلانے کا حکم دیا اور تھوڑی دیر میں میر جعفر اسکے سامنے حاضر ہوا۔

نواب۔ میرے بہادر سپہ سالار میں تم سے اس امر کی التجا کرتا ہوں کہ تم لڑو اور فتح کرو اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب پیشتر کی عادتوں سے ہرگز کام نہ لونگا۔ اور رعایا پروری اور عدل کے ساتھ سلطنت کرونگا۔ دیکھو میر جعفر یہ تم کیا کر رہے ہو۔ ملک اپنے ہاتھ سے ضایع نہ کرو۔ مجھے مسٹر کلایو کی کل خفیہ کارروائیاں معلوم ہوگئیں اور تمہاری علحدگی کو بھی غور سے دیکھہ رہا تھا۔ تم اس معاملہ میں سخت غلطی کر رہے ہو ہرگز کلایو اپنے وعدوں کو پورا نہ کریگا۔ یہ تو صرف اُسکی چال ہے۔

میر جعفر۔ (مکاری سے) خداوند آج تو دن تمام ہو چکا ہے چار بجا چاہتے ہیں اسوقت حضور فوج کو واپسی کا حکم دیں۔ کل یہ حقیر اپنی فوج کو لیکر لڑے گا۔ اور فتح حاصل کریگا انکا بھگا دینا کچھ مشکل نہیں ہے۔

نواب۔ آہ میر جعفر تم نے میرا سمجھانا مطلق نہ مانا۔ کیا غضب کرتے ہو اس وقت ہاتھ روکا اور شکست ہوئی آیندہ تم کو اختیار ہے۔

سراج الدولہ کے اس کہنے پر گو میر جعفر شرمندہ ہوا مگر اُس نے اپنی رائے سے انحراف نہ کیا اور نواب کو فوج کی واپسی کیلئے مجبور کیا۔ اسوقت میدان جنگ میں قیامت کا سماں تھا۔ بہادر موہن لال جی توڑ کر اپنی فوج کو لڑا رہا تھا اور اوس آخری حملے کو جو ۳ بجے انگریزی فوج کی طرف سے ہوا تھا نہایت بہادری سے

روک چکا تہا جس سے انگریزی فوج کسیقدر ہراساں ہوکر پیچہے ہٹنے لگی تہی - لڑائی اسی طرح ہو رہی تہی کہ اوسکو سراج الدولہ کا یہ حکم پہونچا کہ لڑائی کو کلہ پر ملتوی کرکے واپس آؤ۔
اس حکم کے پہونچتے ہی موہن لال نے سمجہ لیا کہ اب بنگال کی قسمت پر زوال آگیا اور سراج الدولہ تخت سے اوتارہ یا گیا۔
موہن لال بمجبوری نواب کی طرف چلا۔ اسکی بہادر فوج جو ابتک قدم جمائے لڑ رہی تہی نواب سراج الدولہ کی ہاتہی کے پہرتے ہی اور موہن لال کو واپس جاتے دیکہکر بیدل ہوگئی اور بہاگنا شروع کیا۔ اب انگریزی فوج نے دہاوا کردیا اور نواب سراج الدولہ کو فوراً اپنی بیوقوفی کا نتیجہ معلوم ہوگیا۔ افسران فوج گرفتار ہوگئے اور سراج الدولہ بمشکل تمام بچکر مرشدآباد کی طرف بہاگا۔ صبح آٹہہ بجے یہ وہاں پہونچا اور اپنے اراکین سلطنت کو بلوایا مگر کوئی بہی نہ آیا بلکہ آنے کے عوض میں سخت جواب دئے۔
ناظرین ذرا سوچئے تو یہ وہی سراج الدولہ ہے جسکا نام سنکر لوگ تہراتے تہے اور آج کس طرح جواب دیرہے ہیں سراج الدولہ یہ کیفیت دیکہکر اپنے اہل و عیال کو لیکر ایک طرف بہاگ نکلا۔
سراج الدولہ اسی بے سروسامانی کی حالت میں چلا جاتا تہا کہ اوسکو ایک دشمن نے گرفتار کرکے مرشدآباد بہیجدیا۔ جہاں اسوقت میر جعفر کلایو کی مدد سے صوبہ داری کے معزز عہدے پر سرفراز ہوچکا تہا۔
سراج الدولہ پابہ زنجیر دربار میں آیا اور میر جعفر نے اسے دیکہکر منہ پہیر لیا۔ اور فوراً قتل کا حکم دیدیا۔ یہ سنکر ہر شخص کی آنکہیں آبدیدہ ہوگئیں۔
یہ دیکہکر میر جعفر کا لڑکا میرن اٹہا اور اسے ایک خیمہ میں لیگیا اور اس کے قتل کے لئے محمد بیگ سے کہا۔ یہ محمد بیگ وہی شخص ہے جسے علی وردی خاں نے نہایت محبت سے پالا تہا اور جو اسوقت اسکے لخت جگر سراج الدولہ کو قتل کیا چاہتا ہے۔
سراج الدولہ نے یہ دیکہکر کہ اب میں بچ نہیں سکتا نہایت حسرت کے ساتہہ محمد بیگ سے کہا کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ تونے گذشتہ احسانات بہلادئے اور دنیا کی دلفریب صورت پر گرویدہ ہوگیا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ دنیا فانی ہے۔ اس میں رہکر انسان کو ہر وقت عدل و انصاف سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ ظلم خدا کو پسند نہیں اور ایکدن اسکا وہی نتیجہ ہوگا جیسا اس وقت میرا ہوا ہے میں اپنے گذشتہ ناروا ظلم کی وجہ سے اپنے چاروں طرف عذاب ہی عذاب دیکہہ رہا ہوں میرے اہل و عیال میرا ساتہہ نہیں دیتے۔ آہ حسین قلی خاں کی روح اسوقت میرے سامنے ہے اور مجہے

اشارہ سے بلا رہی ہے کہ آ اب تجھسے میرے خون ناحق کا بدلہ لیا جائے گا تو نے بڑے بڑے
ظلم کئے ہیں۔ میرے سامنے ایک مہیب شخص نہایت ترش روئی کے ساتھ کھڑا ہے اور اپنا ہاتھ میری
طرف بڑھا رہا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ آخرت کے سفر کے لئے کچھ زاد راہ جمع کرے ورنہ میری طرح
پچھتانا پڑے گا۔ گو میں جانتا ہوں کہ خدا مجھپر رحم کریگا مگر ابھی نہیں ظلم کی سزا دینے کے بعد۔ کیونکہ
وہ عادل اور منصف ہے" سراج الدولہ یہ کہکر خاموش ہوا ہی تہا کہ قاتل نے تلوار ماری اور سر تن سے
جدا ہوکر زمین پر گر پڑا۔ لاش زمین پر تڑپنے لگی۔

آپ لوگوں نے دیکھا کہ سراج الدولہ جیسے جابر کا کیا حال ہوا۔ واقعی یہ دنیا عبرت کا مقام ہے۔
یہاں انسان کو بے ثبات سمجھکر رہنا چاہئے تخت سلطنت پر غرور کرنا عبث ہے بقول شاعر ؎

پھر وہی کنج لحد پھر وہی تیرے اعمال ۔۔۔ چار دن اور ہے یہ مسند شاہی تیری

غرض سراج الدولہ کی لاش ایک بلند ہاتھی پر ڈالکر دفن کرنے کے لئے بھیجدی گئی جہاں ایک نیا واقعہ
پیش آیا۔ یعنی دیکھا گیا کہ ہاتھی از خود حسین قلی خاں کی قبر کے پاس جاکر کھڑا ہو گیا۔ ہر چند فیلبان
نے آگے بڑھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ بڑھنا تہا نہ بڑھا۔ آخرش لاش اوتار کر دفن کر دی گئی۔

اس مقام پر یہ کہدینا بہت ضروری ہے کہ اس وقت موہن لال موجود نہ تہا ورنہ نواب کو اس طرح
قتل ہوتے اپنی آنکھ سے دیکھا نہ جاتا ضرور لڑکر اپنی جان دیدیتا وہ انگریزوں کے قید میں تہا اور وہ اسوقت
چھوٹا جب میر جعفر اور میرن کا خاتمہ ہو چکا تہا۔ رہائی کے بعد اس نے پھر نوکری نہیں کی اور
اپنے موجودہ مال پر زندگی بسر کرتا رہا۔

اب ہم علی وردی کی دو لڑکیوں گھسیٹی بیگم اور آمنہ بیگم کی اپنے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں جو سراج الدولہ
کے خوف سے ڈہاکہ میں کہیں چھپ رہی تہیں اور جو نوازش محمد اور سید احمد کی بیوہ تہیں۔ میرن نے
یہ خبر پاتے ہی ڈہاکہ کے حاکم کو ایک حکم نامہ اس مضمون کا لکہا کہ ان دونوں کو فوراً قتل کر ڈالو۔ اس حکمنامہ
کے پہونچتے ہی اسنے ان بیچاریوں کو جو اپنی مصیبت میں خود گرفتار تہیں اور پھر قتل کا حکم دیا۔

اب ان مجبور اور بیکس عورتوں کا کون تہا جو ان کی مدد کرتا۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو آسمان
کی طرف بلند کیا اور رو رو کر خدا سے یہ دعا کرنے لگیں۔ یا خدا تو دیکھ تیری یہ بندیاں مفت
قتل کیجا رہی ہیں۔ انکا کوئی قصور نہیں صرف میرن کے ظلم کی وجہ سے تو منتقم ہے اسکا عوض ضرور
لینا۔ تو اوس دنیا پرست کو اپنی شان قدرت دکہلا دے اور وہ جہنم واصل ہو۔

یہ غریب عورتیں ابھی پوری دعا بھی کرنے نہ پائی تہیں کہ بے رحم قاتل نے انکو قتل کر ڈالا۔ اور

اس طرح انکا بھی خاتمہ ہوگیا۔
مگر عدل و انصاف بھی کوئی چیز ہے اور مظلوم کی آہ بھی کچھ کر سکتی ہے۔ اس سخت ظلم سے قہر خدا جوش میں آیا اور اُسی روز ملعون میرمدن پر ایک بجلی گری کہ یہ جلکر خاک سیاہ ہوگیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں میر جعفر بھی مغضوب خدا ہوکر برص کے منحوس عارضہ میں مبتلا ہوگیا اور پھر اوسی حالت میں ایک سال زندہ رہکر مرگیا۔ اور اومیچند کو مسٹر کلائو نے ایک موقع پر گرفتار کرا کے پھانسی دلوا دی۔ محمد بیگ بھی ایک لڑائی میں مارا گیا بس اب ہم اپنے ناظرینوں سے رخصت ہوتے ہیں۔ فقط

تمت

سلیمانی پریس بنارس کے چھپے ہوئے ناول یا رسالے جو صاحب پورے ایک روپیہ یا اس سے زائد کی طلب فرماوینگے انکو ایک روپیہ میں پانچسو صفحہ کے حساب سے دیجاوینگی اور خرچہ کارخانہ خود ادا کریگا۔ ہر ایک کتاب کے صفحہ اور اسکی اصلی قیمت اسکے آگے درج ہے۔ بجنسہ کتابیں نصف قیمت پر دیجاوینگی۔

نام ناول	نمبر صفحہ	قیمت	نام ناول	نمبر صفحہ	قیمت	نام رسالے	نمبر صفحہ	قیمت	نام رسالے	نمبر صفحہ	قیمت
عاشق شیطان	۳۹۶	۱۲ر	وفادار بی بی	۲۰	۲ر	نوکری اور اُسکا			نوید مسرت	۲۰	۱ر
یاقوت کی کان	۲۴۸	۱۲ر	حمیدہ بانو	۱۰۸	۶ر	فرض	۲۰	۱ر	حقہ نامہ	۱۲	۰ر
ماں کا قاتل	۲۹۳	۶ر	بوالہوس نواب	۵۶	۴ر	گفتگو	۳۴	۲ر	چانڈو نامہ	۱۲	۰ر
معشوقہ فرانس	۲۵۲	عہ	معشوقہ عذر	۱۲۴	۸ر	فضول خرچی	۲۰	۱ر	شراب نامہ	۱۲	۰ر
منیر الشباب مکمل	۲۵۲	عہ	چلادہ	۱۴۸	عہ	مقدمہ بازی	۲۰	۱ر	کوکین نامہ	۱۲	۰ر
خضر شباب	۱۷۲	عہ	پیرس کا گندہ	۱۷۲	عہ	تعصب	۲۰	۱ر	طلسم بنگال نظم	۲۴	۲ر
خوبصورت ناگن	۱۸۸	عہ	اسمٰعیل صفیہ	۷۶	۸ر	صحبت	۳۲	۲ر	کتب بجنسہ نصف		
کارگذار	۱۸۸	عہ	گلشن کشور	۹۲	۸ر	شراب خانہ خراب	۲۰	۱ر	قیمت میں ملیگی		
فیروز محمودہ	۱۴۸	عہ	جیسی کرنی ویسی			کہانا	۳۲	۲ر	رسالہ حشیم	۴۴	۴ر
برق غضب	۱۳۶	۱۲ر	بہرلی	۵۰	۴ر	پانی	۱۸	۱ر	سوانح عمری		-
عصمت کا البم	۱۲۴	عہ	**نام رسالہ**			ہوا	۱۲	۱ر	راجہ بیربل	۵۶	۸ر
ذبیح فاطمہ	۹۲	۸ر	شادی خانہ آبادی	۲۴	۱ر	دولت کیا ہے	۱۲	۰ر	قصص العرب	۶۲	۸ر
قدسیہ عرف پاکدامن	۹۲	۸ر	خانہ داری	۲۰	۱ر	ہندو عورتونکی			احسن المیلاد	۸۰	۸ر
ظالم عشاق	۸۴	۶ر	ہیپی ہوم	۲۴	۱ر	حالت	۱۲	۰ر	ترانہ موسیقار	۱۲۸	۸ر
سلیمان عذرا	۹۰	۸ر	انیس خلوت	۲۸	۲ر	مسرت	۲۶	۲ر	مخزن الحکمت	۸۸	۸ر
حباب المنا	۶۸	۶ر	وقت اور محنت	۲۴	۱ر	علاج الطاعون	۳۲	۲ر	دو مشکبار بائین		
لاڈلی بیٹی	۷۶	۴ر	دوستی	۲۰	۱ر	فیوض ذات	۲۸	۱ر	یعنی		
جوان بی بی			راستی	۲۰	۱ر	مسائل حقہ			حفظ صحت		عہ
کمسن شوہر	۵۴	۴ر	عیاشی	۲۰	۱ر	نوشی	۲۰	۱ر	دست چہ یا بخط		
کمسن بی بی			خیرات	۲۰	۱ر	ملیریا یا فصلی			دیوناگری		عہ
مس شوہر	۵۲	۴ر	قرض	۲۰	۱ر	بخار	۱۸	۲ر			
بڈھے میاں	۴۴	۴ر	معلم	۲۸	۲ر	غنچہ معرفت	۴۴	۴ر			
بدانجام	۴۴	۴ر	ماں باپ کا اُستاد	۲۸	۲ر	مسئلہ کرم	۱۸	۱ر			

بنارس کے مشہور ڈاکٹر گنیش پرشاد بھارگو کا بنایا ہوا

سفوف ثعلب مرکّب

دماغ اور دیگر اعضاء رئیسہ کو مضبوط کرکے مادوں کو بے قاعدہ نکلنے سے روکتا ہے۔ خون کے سرخ ذروں کو بڑھاتا ہے جسکی وجہ سے سفوف ثعلب مرکب کے کچھ دنوں استعمال کرنے سے چہرہ پر نور اور بدن میں سرخی بڑھتی ہے کمر کا درد، سستی و کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ یہ سفوف ثعلب مرکب بدن کے بیجا ڈھیل ڈھال پنے کو دور کرکے سڈول اور کسدار بنا دیتا ہے بھوکھ کو بڑھاتا ہے کمزوری چکر اور سر کے درد کے واسطے اکسیر ہے گھٹنوں کا درد پیروں کی اینٹھن دل کی دھڑکن دماغ کی کمزوری جن سے آدمی جلد پھر بھی کسی کام میں محنت نہیں کرسکتا ہے اسکے استعمال سے دفع ہو جاتی ہے اور قوی مضبوط اور طاقتور ہو جاتے ہیں۔ اسکی وجہ صرف یہ ہی ہے کہ اس سفوف کے استعمال سے انسان کے جسم میں خون بڑھتا ہے اور خون کے بڑھنے سے ہر طرح کی کمزوری دفع ہو سکتی ہے پرمیہ **یعنی جریان** کی یہ خاص دوا ہے۔ اس سفوف میں کوئی ایسی محرک دوا شریک نہیں ہے جسکے استعمال سے فوراً دو چار روز میں فائدہ ظاہر ہو اور جب دوا چھوڑ دی گئی تو پہلے سے بھی خراب حالت ہو جائے۔ اس سفوف ثعلب مرکب کے استعمال سے جب پورا فائدہ ہو جاتا ہے تو وہ قائم رہتا ہے احتیاط سے کام لینے والے ضعیف بھی اس سفوف ثعلب مرکب کے استعمال کے بعد مثل نوجوان کے کام کرسکتے ہیں سب سے بڑی خوبی اس سفوف میں یہ ہے کہ جس طرح مردوں کی بیماریوں کیواسطے یہ سفوف ثعلب اکسیر ہے اسی طرح عورتوں کی خاص شکایتوں کیواسطے بھی یہ سفوف نہایت فائدہ مند ہے۔ **پردر یا پرسوت**۔ جسکی وجہ سے مریضہ کا چہرہ خون سے خالی اور آنکھیں پیلی یا سفید ہو جاتی ہیں کبھی کبھی بخار معلوم ہوا کرتا ہے اور آخر میں ہسٹریا یعنی بیہوشی تک نوبت پہونچتی ہے اور ایام میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جسکی وجہ سے عورت اپنے خاص کام یعنی بچہ پیدا کرنے کے لائق نہیں رہ جاتی ہے۔ ان سب شکایتوں کے واسطے یہ سفوف ثعلب مرکب اکسیر ہے۔ دودھ پلانے والی عورتوں کو اسکے استعمال سے دودھ زیادہ پیدا ہوتا ہے جسکی وجہ سے دودھ پینے والا بچہ مضبوط تندرست اور طاقتور ہوتا ہے۔ بہت سے خطوط اسکے مفید ہونے کے بارہ میں آئے ہوئے موجود ہیں۔

دوا ملنے کا پتہ۔ نونہال سنگھ بھارگو مینجر کارخانہ نمک سلیمانی۔ محلہ گائگھاٹ شہر بنارس